دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۸۳ ماہ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ مطابق ماہ جنوری ۲۰۰۹ء عدد ۱

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات ۲
عمیر الصدیق ندوی

مقالات

صحیح احادیث، موضوع روایات ۵
پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

عہد نبوی میں رسول اللہؐ پر مشرکوں کے اعتراضات ۲۷
ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس

تحریک آزادی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۵۵
ڈاکٹر محمد صہیب

مقامہ نگاری کی تجدید ۶۳
ڈاکٹر احمد نسیم صدیقی

اخبار علمیہ ۷۰
ک، ص اصلاحی

دارالمصنفین کا ایک پروقار سمینار ۷۳
ع۔ص

ادبیات

غزل ۷۸
جناب رئیس احمد نعمانی

غزل ۷۸
ڈاکٹر آفاق فاخری

مطبوعات جدیدہ ۷۹
ع۔ص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

معارف کی ایک سوتر اسویں جلد کا یہ شمارہ اپنے نئے سال کی ابتدا اس طرح کر رہا ہے کہ دو تین روز کے فرق سے نئے قمری ہجری سن کی کرنیں اور نئے شمسی عیسوی سال کی شعاعیں یک جا ہیں، قرآن مجید میں روز و شب کو خالق کائنات کی نشانی بتا کر اس سلسلۂ گردش لیل و نہار کی جہاں اصل وجہ و غایت بیان کی گئی ہے، وہیں ایک مقصد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ **ولتعلموا عدد السنین والحساب** (تا کہ تم برسوں کی تعداد اور حساب جان سکو)، ماہ و سال کے شمار کے ساتھ حساب کے لفظ کو ظاہر ادیکھا جائے تو برسوں کے حساب یا کسی اور حساب کے علم کی خبر ملتی ہے لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ حساب، بے حساب ہو، انسان کی محدود و معدود زندگی کے ایک ایک لمحے کا، ایک ایک ساعت کا! اس امکان کو تقویت ٹھیک اس سے پہلے کی آیت سے ملتی ہے جس میں کہا گیا کہ ’’انسان برائی کا اسی طرح طالب بنتا ہے جس طرح اس کو بھلائی کا طالب بننا چاہیے اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے‘‘، اس تمہید سے مقصود یہی ہے کہ مہ و سال کی ہر گردش اور ہر کروٹ ہم سے حساب سود و زیاں لینے کا حق رکھتی ہے، یہ جاننے کا حق رکھتی ہے کہ ہم اپنی غیر مستقل افتاد اور عجلت پسند طبیعت کے سبب خیر کی جگہ شر کے طلب گار تو نہیں بن گئے، حساب و احتساب کا یہ عمل ناگوار اور تکلیف دہ ہو سکتا ہے لیکن ہے یہ فطرت کے عین مطابق۔

ساتوں آسمانوں کی رات دن کی گردش جو سماں دکھلاتی جاتی ہے، اس کے بعد یہ کہنے کا یارا ہے نہ چارہ کہ ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

ہمارے ملک میں ہمارے ہی ساتھ کیا کیا نہ ہوا اور ہو رہا ہے، سلسلۂ روز و شب کے نقش گر حادثات ہونے کی ایسی تشریح کم دیکھنے کو ملتی ہے، زبان رہی نہ تعلیم و تہذیب، کچھ مذہبی شعار ہیں وہ بھی ہدف اغیار ہیں، جان و مال اور عزت و آبرو سب خاک میں ملے اور اب قوم کے نونہال، بن کھلے ہی مرجھانے لگے ہیں، دہشت گردی کے طعنوں نے کلیجہ چھلنی کر رکھا ہے لیکن ملک سے باہر عالم اسلام میں جو معرکہ کرب و بلا بپا ہے اس کے اظہار کے لیے الفاظ کہاں سے لائے جائیں، یہ داستان تو اب منت کش تاب شنیدن ہی نہیں، ان صفحات میں پہلے بھی اسرائیل اور اس کے سرپرست امریکا کی ستم رانیوں کی کہانی سنائی جاتی رہی ہے، اب فلسطین کے نام پر غزہ کی چھوٹی سی بستی والوں پر اسرائیل نے زمین بلکہ عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے اور مسلسل

بم باری سے اس پورے علاقے کو لہولہان اور خاکستر کر رہا ہے، سینکڑوں ہزاروں نہتے فلسطینیوں کا قتل عام ہے، جن میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے، نسل کشی کے فرعونی دستور کو قوم موسیٰ نے جس طرح اختیار کیا ہے، یہ پورے عالم انسانیت کو خوں بار اور شرم سار کرنے کے لیے کافی ہے لیکن مساوات اور احترام آدمیت کے نام لیواؤں کی خاموشی جس میں ہماری حکومت بھی شامل ہے، اس سے بھی زیادہ شرم کے قابل ہے، دہشت گردی کے خلاف وحشیانہ انداز میں شور شرانگیز بپا کرنے والے امریکا اور اسرائیل کی اس دہشت گردی کو دیکھ کر مہر بہ لب ہیں اور ہم اس خاموشی پر نالہ بہ لب ہیں۔

لیکن نالہ وشیون سے دشت کرب وبلا، باغ و بہار نہیں ہوسکتا، وقت، قرآن مجید کے اصول کے مطابق، حساب روز وشب کا متقاضی ہے، عزت وکامرانی کی متاع گم شدہ کی بازیابی صرف ذہنی وجسمانی، فکری ومعاشی اور علمی وعملی ہر حیثیت سے دوسروں پر امتیاز وتفوق کی حصولیابی سے ممکن ہے، واقعات کیسے ہی ہوں، ان کے اسباب وعلل کو دوسروں کی نظر کی بجائے اپنی نظر سے دیکھنے کی عادت کو پھر سے اپنانے کی ضرورت ہے، ایمان اور اتحاد کی اہمیت کو جاننے کی ضرورت ہے، ہمارے صاحب فہم ونظر بزرگوں نے بار بار کہا اور یہ بار بار یاد دلانے کے لیے کہا کہ کسی ایک بلند ذہنی تخیل یعنی ایمان پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ متفق ہو کر ایک ہو جانا اور اس کے لیے ہر قسم کے ایثار کے لیے تیار رہنا شرط اول ہے، جب یقین کا یہ آتش کدہ روشن ہوتا ہے تب اس آگ میں اختلافات کے تمام خس وخاشاک جل کر راکھ ہوتے ہیں اور ایمان وعمل کی وحدت ایک ناقابل شکست قوت میں بدل جاتی ہے اور تب جمود کو روانی، سکون کو حرکت، خود غرضی کو ایثار اور حیات فردی کو حیات اجتماعی کی دولت نصیب ہوتی ہے، روز وشب کی گردش ہمیشہ اسی حقیقت کو فاش کرتی رہی ہے کہ ایمان، اتحاد، ایثار، دور بینی، دروں بینی اور مستقل مزاجی کے اصول پر ہی جماعتوں اور قوموں کو سرفرازی اور سرخ روئی ملتی ہے، یہی نوشتہ تقدیر ہے، یہ دنیا ہو یا وہ دنیا، حقیقت صرف یہی ہے کہ اقرأ کتابک، کفی بنفسک الیوم حسیبا، (لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ، آج تم خود ہی اپنا حساب کرنے کے لیے کافی ہو)۔

قریب ۳۲ برس پہلے اسی مہینے میں صاحب طرز ادیب وانشا پرداز اور مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تھے، مرحوم کے لائق نواسے اور مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ انگریزی کے صاحب قلم پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے مولانا مرحوم کی انگریزی تفسیر ماجدی کے جدید ایڈیشن کا تحفہ "معارف" کو پیش کیا، دی اسلامک فاؤنڈیشن کی اس دیدہ زیب پیش کش نے مولانا مرحوم کی یاد کو تازہ کر دیا، اس انگریزی تفسیر کے آغاز اور تکمیل کے مراحل کی داستان مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان صفحات میں بار بار

سنائی ، جب ترجمہ وتفسیر کا کام اتمام کو پہنچا تو ” معارف “ کے شذرات نے خوش خبری دیتے ہوئے کہا تھا کہ انگریزی ترجموں میں کوئی ترجمہ بھی ایسا نہیں تھا جس پر اہل علم اور علمائے دین کو پورا اعتبار ہوتا ، خصوصیت یہ بتائی کہ ترجمہ حاصل مراد اور مطلب کا نہیں کیا گیا جس میں بیسیوں لفظی ومعنوی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں بلکہ پوری لفظی پابندی کی گئی ، مطلب ومعنی میں متبعین سنت کی پیروی کی گئی ہے یعنی ہر قسم کی فاسد تاویلات سے احتراز کیا گیا اور ہر آیت کے معنی اور اس کے حل میں معتبر کتابوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو آیتیں زیادہ شرح طلب تھیں ان پر حاشیے لکھے گئے اور تاریخی ، جغرافی ، کلامی ، فقہی اور تمدنی مسائل کی تفصیل کے ساتھ ، جہاں تورات ، انجیل اور یہود ونصاریٰ کی مستند کتابوں کے حوالوں کی ضرورت پیش آئی ، ان کے حوالے بھی دیے گئے ، سید صاحب نے اس وقت لکھا تھا کہ چاہیے تو یہ تھا کہ کوئی سخی دریا دل اٹھتا اور اس کی طبع واشاعت کا انتظام کرتا ، بعد میں گو یہ تفسیر شائع ہوئی لیکن شایان شان طباعت کی حسرت ہی رہی ، اب اس برطانوی طبع جدید سے یہ حسرت ، مسرت میں بدلی ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے دیباچے نے اس کی زینت میں اور اضافہ کیا ہے۔

ایک مسرت کی خبر یہ ہے کہ آندھرا پردیش کی اردو اکیڈمی نے اپنے سب سے بڑے اعزاز مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ کے لیے مسلم یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر ، جامعہ ہمدرد کے چانسلر ، دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کے معزز رکن اور ملک میں کاروان تعلیم کے میر کارواں جناب سید حامد کا انتخاب کیا ، اس حسن انتخاب کے لیے اکیڈمی کے ذمہ دار قابل تحسین ہیں کہ اس سے ان کے اعزاز کی وقعت بڑھی ہے ، تعلیم کے ذریعہ ترقی کے وسائل وامکانات کے استعمال اور ملت کی جراحتوں کے اندمال ، ان دو باتوں نے سید حامد کو مقام محمود پر فائز کیا ہے ، دارالمصنفین کے وہ ہمیشہ قدرداں اور اس کی ترقی کے لیے فکرمند رہے ، ان کے اخلاص کی پاکیزہ خوشبو اور عام ہوئی جب انہوں نے ایوارڈ کی خطیر رقم اس آستانہ شبلی کو نذر کردی ، حیدرآباد ، دارالمصنفین اور سید حامد کے اس مثلث کے بہانے کتنے فسانے یاد آئے۔

افسوس ، مدرسۃ الاصلاح اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تعلق کی ایک اہم یادگار نہ رہی ، مولانا عبدالرحمان ناصر اصلاحی جامعی کی قریب ایک صدی کی حیات مستعار پوری ہوئی ، انا للّٰہ ، ان کی شخصیت کی طرح ان کا قلم بڑا شگفتہ تھا ، پروفیسر عبداللطیف اعظمی کے ہم درس تھے اور ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر مجیب جیسے نامور اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا ، پروفیسر خلیل الرحمان اعظمی کے ہم وطن بھی تھے اور ہمدم وہم ساز بھی ، جب تک صحت نے ساتھ دیا ، دارالمصنفین آتے جاتے رہے ، اب وہ اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں ہیں ، قارئین سے بھی مغفرت کی دعاؤں کی درخواست ہے۔

مقالات

صحیح احادیث، موضوع روایات

پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی٭

امت اسلامی کا اجماع ہے کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے جو رسول اکرمؐ پر اترتی تھی، اس کے نزول و تنزیل کے متعدد طریقے تھے، ان میں سب سے اہم قرآنی وحی کی تنزیل کی مانند وحی کی تنزیل جبرئیلی تھی، اس میں حدیث عائشہ صدیقہؓ کے مطابق اولین وحی حدیث، رویائے صادقہ / صالحہ کی شکل میں اتری تھی، کھلی آنکھ سے دیکھے جانے والی کشف نبوی دوسرا طریقہ تھا اور روحی اور الہام اور القا کے بھی معروف طریقے تھے، اسی سبب سے ''وحی غیر متلو'' حدیث کو قرار دیا گیا اور اسلامی دین و شریعت کا توأم سرچشمہ بھی۔ (مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو: وحی حدیث، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۲۰۰۴ء کے مختلف ابواب؛ ابن حجر، فتح الباری، دارالسلام، ریاض ۱۹۹۷ء، ۱/ ۱۲ و مابعد؛ نیز بخاری، کتاب بدء الوحی، باب دوم، متعدد احادیث اور دوسرے مآخذ جیسے کتب حدیث مسلم وغیرہ؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، قاہرہ ۱۹۳۲ء، ۳/ ۲۱-۲۳)

اسی غیر متلو وحی الٰہی - رسول اکرمؐ کی حدیث شریف - میں اسے حدیث کہا گیا ہے، الفاظ و کلمات کے اصطلاحات بننے کی تاریخ اور القا سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ حدیث، عہد نبوی میں اصطلاح بن گیا تھا، بلاشبہ بعض احادیث نبوی میں بھی لفظ حدیث کو اس کے لغوی معانی میں بھی استعمال کیا گیا ہے جو خاصے اہم ہیں، لغوی معنی و مفہوم کی بھی کئی جہات ملتی ہیں اور ان سے لفظ حدیث کے لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کا ارتقا معلوم ہوتا ہے، ان مفاہیم و معانی اور ان کی جہات معنی آفریں کا سب سے اہم زاویہ ان کا اطلاق نبوی ہے جو اصل سند ہے، اس پر بحث اور اس کے مآخذ و منابع کا ذکر ذرا آگے تفصیل کے ساتھ آرہا ہے۔

٭ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

حدیث کے لغوی معنی: ''لفظ حدیث کے بنیادی معنی ہیں کوئی خبر یا کوئی بیان، (یا کوئی نئی بات) خواہ وہ مذہب سے متعلق ہو یا دنیاوی معاملات سے (اسی سے حدوث، حادثہ، حادث جیسے الفاظ بنے ہیں......'') (مقالہ ''حدیث''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور)۔

حافظ ابن حجر نے قرآن کریم اور حدیث شریف کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ پیدا کیا ہے، شرع / شریعت، عرف میں حدیث سے مراد رسول اکرمؐ کی طرف منسوب کلام ہے، گویا کہ اس کے ذریعہ قرآن مجید سے اس کا تقابل کا ارادہ کیا گیا کہ قرآن قدیم ہے (اور حدیث جدید / نئی ہے) ہے: ''المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف الی النبی ﷺ وکانه ارید به مقابلة القرآن لانه قدیم ''۔ (فتح الباری، المقدمہ)

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی شرح مسلم میں اسی طرح ایک اور لطیف نکتہ پیدا کیا ہے کہ رسول اکرمؐ سے منسوب کلام پر حدیث کا اطلاق قرآن مجید کی آیت کریمہ: ''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ'' (ضحیٰ-۱۸) سے ماخوذ ہے: ''ان اطلاق الحدیث علی ما یضاف الی النبی ﷺ مقتبس من قوله تعالیٰ : وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ''۔ (مقدمہ فتح الملہم)

حافظ موصوف اور مولانا عثمانی اور ان جیسی تعبیرات کرنے والے نکتہ رس بزرگوں کی تشریح محض علمی لطائف وظرائف کی ہے، قرآن کریم کے مقابلہ میں حدیث کو قدیم کے مقابل جدید قرار دینے میں یہ حقیقت اوجھل ہوگئی کہ حدیث بھی بنیادی طور پر وحی الٰہی پر مبنی ہے اور اس لحاظ سے وہ وحی قرآنی کی طرح قدیم ہے، اس کا جدت سے کیا تعلق، تحدیثِ نعمت رب کا معاملہ اور بھی دل چسپ ہے، اس سے حدیث کے ماخوذ ہونے کا خیال نظم قرآنی کے بالکل خلاف ہے، حقیقت یہ ہے کہ حدیث رسول اکرمؐ کا اختیار فرمایا ہوا لفظ و مصطلح ہے اور کلام نبوت نے اسے لغوی معنی و مفہوم سے اوپر اٹھا کر اسی طرح اصطلاح خاص بنا دیا جس طرح قرآن مجید نے لفظ قرآن کو آخری کتاب الٰہی کی حیثیت دے دی۔

لفظ حدیث کا اصطلاحی ارتقا: زبان رسالت مآبؐ اور مہبط وحی الٰہی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب اقدس سے بعض احادیث ایسی مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حدیث کو اصطلاح کا ارتقا نصیب ہونا شروع ہوگیا تھا، ان میں سے ایک عظیم الشان اور مشہور حدیث ہے: ''ان أحسن

الحدیث کتاب الله واحسن الهدی هدی محمد ﷺ ''۔(بخاری، کتاب الادب، باب الهدی الصالح، حدیث: ۶۰۹۸؛ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث: ۷۲۷۷؛ فتح الباری، ۱۰/۶۲۵-۶۲۸؛ ۱۳/۳۰۶ ومابعد: موخر الذکر حدیث میں کچھ اضافہ بھی ہے، اول الذکر حدیث بخاری ''موقوف'' مروی ہے کہ صحابی جلیل حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے نام نامی پر تمام ہوجاتی ہے اور اس کو رسول اکرمؐ تک ''مرفوع'' نہیں بنایا گیا، اسی طرح دوسری حدیث بخاری بھی موقوف ہی ہے کہ صحابی پر سند ختم ہوجاتی ہے لیکن حضرت امام بخاری نے ان دونوں مقامات پر ان کو متن میں بیان کیا ہے، ترجمۃ الباب میں نہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح بخاری میں مزید وضاحت کی ہے کہ اس حدیث کو انہوں نے تمام طرق میں موقوف ہی دیکھا ہے: ''هکذا رأیت هذا الحدیث فی جمیع الطرق موقوفاً ......'' ۱۰/۶۲۷۔)

حافظ موصوف نے البتہ حضرت ابو الاحوص کے واسطہ وسند سے حضرت ابن مسعود کے حوالے سے موصول اور مرفوع ہونے کا ذکر کیا اور ثبوت میں ''اصحاب السنن'' کی تخریج پیش کی ہے، مزید لکھا ہے کہ حضرت جابرؓ کی سند اور واسطہ سے اس حدیث کا اکثر حصہ مرفوع آیا ہے اور اس کی تخریج اما مان حدیث میں مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد بن حنبل اور ابن ماجہ وغیرہم نے کی ہے جس کا طریق ہے: ''جعفر بن محمد بن علی بن الحسین عن ابیه عن جابر'' البتہ اس کے الفاظ مختلف ہیں، ان میں دو مختلف الفاظ والی احادیث امام احمد اور امام مسلم سے بالترتیب نقل کی ہیں: ''ان احسن الحدیث کتاب الله واحسن الهدی هدی محمدؐ / ان خیر الحدیث کتاب الله و خیر الهدی هدی محمدؐ الخ'' اس پوری بحث میں حافظ موصوف نے ''احسن الحدیث / خیر الحدیث'' کے معنی ومفہوم سے تعرض نہیں کیا ہے اور نہ دوسرے مقام پر کیا ہے جب کہ ''هدی محمدؐ'' کے دوسرے حصہ سے مختصر ترین بحث یا تعرض دوسرے مقام پر کسی وجہ سے کردیا ہے۔

حدیث مذکورہ بالا کے لفظی دروبست سے بھی اور کلام نبوی کے نظم معانی کے لحاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں احسن یا خیر حدیث کا معنی ومفہوم حسین ترین یا بہترین کلام ہے اور لفظ حدیث کلام کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، یہ معنی زبان رسالت مآبؐ سے مروی ہے اور

وہ لغوی معنی حدیث پر ایک ارتقا ہے، اس معنی خاص کو بجا طور سے حدیث کا اصطلاحی ارتقا کہا جاسکتا ہے اور کہا بھی گیا ہے، خود قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ سے اس کی تائید وتصدیق ہوتی ہے جس طرح عام لغوی معنی حدیث کی ہوتی ہے۔

محمد فواد عبدالباقی کی تحقیق وتصریح کے مطابق لفظ حدیث قرآن مجید کی اٹھارہ آیات کریمہ میں آیا ہے، ان میں سے جن آیات کریمہ میں حدیث کا اطلاق قرآن مجید اور کلام الٰہی پر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

...... فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (سورۂ اعراف:۱۸۵)	سو اس کے پیچھے کس بات پر یقین لاویں گے۔
فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (سورۂ کہف:٦)	سو تو کہیں گھونٹ ڈالے گا اپنی جان ان کے پیچھے، اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر۔
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (سورۂ زمر:۲۳)	اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی، دہرائی ہوئی۔

شاہ عبدالقادر: "خدا نازل ساخت بہترین سخن کتابی کہ بعض او مانند دیگر است، آیات دو ...... اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں ...... الخ، مودودی، "...... عمدہ کلام"، تھانوی وغیرہ۔

فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَآيَاتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (سورۂ جاثیہ:٦)	پھر کون سی بات کو اللہ اور اس کی باتیں چھوڑ کر مانیں گے۔
فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صَادِقِيْنَ (سورۂ طور:۳۴)	پھر چاہیے لے آویں کوئی بات اسی طرح کی، اگر وہ سچے ہیں۔

نیز آیات دیگر جیسے سورۂ نجم:۵۹، واقعہ:۸۱، قلم:۴۴، مرسلات:۵۰، ان میں بھی حدیث کو کلام الٰہی اور آیات الٰہی کے لیے ہی لایا گیا ہے۔

ان میں سورۂ زمر:۲۳، اپنے معنی ومفہوم اور اطلاق اور قرآن وحدیث کے توافق کی جہت

سے اہم ترین ہے، اول جہت یہ ہے کہ حدیث بخاری مذکورہ بالا وغیرہ ہیں اور آیت کریمہ میں دونوں جگہ ایک ہی ترکیب استعمال کی گئی ہے یعنی "احسن الحدیث"، اس اعتبار سے لفظ بخاری کو خیر الحدیث پر فوقیت حاصل ہے، دوسری جہت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "احسن الحدیث" کی تنزیل الٰہی کی واضح طور سے حقیقت بیان کی ہے، تیسری جہت شاید سب سے اہم ہے کہ اس "احسن الحدیث" کا متبادل "کتابا" لایا گیا جو کلام الٰہی ہے اور پھر اس کتاب کی مزید تعریف و تفصیل "متشابها مثانی" کے علاوہ دوسری حسی تاثیر سے بھی کی گئی ہے۔"......

تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر اللّٰه ذلك هدى اللّٰه يهدى به من يشاء ومن يضلل اللّٰه فما له من هاد (...... بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر، ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر، یہ ہے راہ دینا اللہ کا، اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلا دے اللہ، اس کو کوئی نہیں سوجھانے والا"۔ شاہ عبدالقادرؒ)

دوسرے مفسرین و مترجمین نے بھی اس قرآنی ترکیب "احسن الحدیث" سے مراد کلام الٰہی لیا ہے، ان میں سے ایک نمایندہ شارح و مفسر حضرت امام ابن کثیر دمشقی ہیں جو قرآن و حدیث کے توافق کے بھی امام ہیں، آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کا اولین بیان ہے کہ یہ اللہ عزوجل کی اپنی کتاب قرآن عظیم کی مدح ہے جو اس کے رسول کریمؐ پر اترا لیکن حیرت کی بات ہے کہ امام موصوف نے "احسن الحدیث" پر بحث کی ہے نہ حدیث نبوی کا حوالہ دیا ہے اور نہ دوسرا کلام کیا ہے، ان کا سارا زور بعد کی تعریفات قرآنی پر ہے جو انہوں نے مختلف امامان تفسیر سے تفصیل سے نقل کی ہیں، بہرحال بعض دوسروں نے اس توافق حدیث و قرآن کا حوالہ دیا ہے یا نہ بھی دیا ہو تو وہ واضح ہوتا ہے کہ کلام نبوی اور کلام الٰہی دونوں ایک ہی سرچشمے سے جاری ساری ہوئے ہیں اور کلام الٰہی سے ہی کلام نبوی نے استفادہ واکتساب کیا تھا۔

قرآن و حدیث دونوں میں "احسن الحدیث" کے بہترین کلام کے معنی و مفہوم میں استعمال و اطلاق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہاں لغوی معنی سے بلند ہو کر حدیث کا لفظ اصطلاحی معنی کی طرف ارتقا کر رہا ہے۔

قرآن اور حدیث: قرآن مجید جس طرح ایک اصطلاح خاص بن گیا ہے اور اول روز سے بن گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے، اب اسے کوئی بھی لغوی معنی میں استعمال نہیں کرتا یا کرسکتا کہ روز اول سے اسے کتاب وکلام الٰہی کی اصطلاح بنادیا گیا تھا، اسی طرح رسول اکرمؐ نے اپنی حدیث کو اصطلاح کا درجہ خاص عطا فرمادیا تھا اور اسے قرآن مجید کا ہم پلہ قرار دیا تھا، اسے دین وشریعت کا دوسرا یا قرآن کریم کے بعد کا درجہ دینا دین وشریعت سے نابلد ہونے کا ثبوت دینا ہے کہ وہ تو اَم ہے، رسول اکرمؐ نے اپنی بعض احادیث میں حدیث کو قرآن کے برابر درجہ دیا ہے اور وہ اصطلاحی ارتقا کا سب سے اہم درجہ ہے۔

حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے حدیث ترمذی: ۲۶۶۴ مروی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ خبردار کسی شخص کے پاس میری حدیث پہنچے اور اپنے تخت رمسند پر بیٹھا یہ کہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے...... (اور وہ کافی ہے)'' ...... **الاھل عسی رجل یبلغه الحدیث عنی وھو متکی علی اریکته فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ** ...... الخ، اس میں تحریم کا حکم ہے، بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث کے ابواب کے تراجم کے علاوہ امام مسلم کے مقدمہ میں بھی قرآن وحدیث کے تو اَم ہونے کا ثبوت ہے اور اس سے زیادہ قدم قدم پر قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کو ایک تو اَم اصطلاح دین وشریعت قرار دیا گیا ہے، قرآن وحدیث کا تعلق اسی بنا پر شریعت ودین کی تفہیم کے لیے ایک ساتھ ضروری ہے کہ حدیث کے بغیر اسلام سمجھا نہیں جاسکتا، رسول اکرمؐ نے اسی سبب سے اپنی ایک اور حدیث میں فرمایا ہے کہ جب تک کتاب اللہ اور سنت نبیؐ سے تمسک رہے گا گمراہی نہیں آسکتی اور امت ہمیشہ صراط مستقیم پر رہے گی، ایسی احادیث بھی ہیں اور قرآن کریم کی آیات بھی، ان سب نے مل کر قرآن مجید کے ساتھ حدیث وسنت کو دوسری اصطلاح اور تو اَم ماخذ شریعت بنادیا ہے۔

حدیث کے اصطلاحی معنی: عہد نبویؐ ہی میں بلکہ زبان رسالت مآبؐ سے حدیث کے معنی خالص اصطلاحی بن چکے تھے، مقالہ حدیث میں یہ اضافہ بالکل مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ ''...... آنحضرتؐ نے حدیث کا لفظ اپنے کلام کے لیے خود پسند فرمایا، تاکہ آپؐ کے اور دوسرے لوگوں کے کلام اور اقوال میں تمیز ہوسکے ......، اس آخری مفہوم میں دینی روایات کا پورا مجموعہ حدیث کہلاتا ہے اور

اس کا علم علم الحدیث ......'' صاحب شذرہ نے صرف ایک حدیث - حدیث ابو ہریرہؓ سے اس پر استشہاد کیا ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

المعجم المفھرس للالفاظ الحدیث النبوی میں ایسی تمام احادیث کا ذکر کیا گیا ہے جو اس معتبر کتب حدیث میں اس لفظ شریف سے متعلق ہیں، ان میں سے متعدد خالص حدیث نبوی کی تخصیص بتاتی ہیں اور یہ تمام احادیث ثابت کرتی ہیں کہ لفظ حدیث صرف اور صرف صحیح و ثابت کلام نبوی کے لیے استعمال کیا گیا ہے، ان میں ایک طرف تو حدیث کے اصطلاحی معنی کا واضح بیان و ثبوت ہے اور دوسری طرف اس کی دوسری جہات ہیں، ان احادیث میں مذکورہ بالا ''احسن الحدیث کتاب الله'' کے علاوہ دوسری حسب ذیل ہیں جو اس معنی خاص میں ہیں۔

ان اصطلاحی معانی میں بیان کردہ احادیث کو دو بڑے طبقات میں منقسم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ رسول اکرمؐ کے اپنے کلام مبارک کے لیے لفظ حدیث کے استعمال و اطلاق کی حقیقت واضح ہو سکے اور یہ بھی ثابت ہو سکے کہ صحابہ کرام بالخصوص اور ان کے بعد کے صاحبان حدیث و علم نے اسی اصطلاحی معانی میں لفظ حدیث /احادیث کا استعمال کیا ہے، بعد کے ادوار میں اس اصطلاح خاص کا چلن محض اسی انتخاب نبوی اور تعامل صحابہ کے سبب ہوا تھا۔

اصطلاح نبوی کی دو جہات: رسول اکرمؐ نے اپنے کلام نبوت کے لیے دو طرح کے استعمالات کو روا فرمایا تھا: ایک مثبت طور سے اپنے کلام کو حدیث فرمانا اور اس کی طلب، تعلم و تعلیم اور ترسیل کا حکم فرمانا، دوسرے صرف صحیح حدیث اور معلوم و یقین پر مبنی علم کی بنا پر حدیث بیان کرنے کی ہدایت فرمائی جو اور اہم تر ہے، کم از کم اس مقالے کے زاویے سے، اس موقع پر ان دونوں جہات کی بعض نمائندہ احادیث نقل کی جاتی ہیں جو مذکورہ بالا معجم سے منقول ہیں اور پھر ان کی تصویب ان کے اصلی سرچشموں سے کر لی گئی ہے۔

(الف) کلام نبوی کو حدیث قرار دینا: حدیث بخاری ۹۹ کے مطابق رسول اکرمؐ سے حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ سوال کیا کہ قیامت کے دن یا رسول اللہ آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کون بہرہ مند ہوگا، رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میرا گمان تھا کہ اس حدیث کو تم سے پہلے کوئی اور نہیں پوچھے گا، کیوں کہ تم کو حدیث کی بہت زیادہ حرص /چاہت ہے: ''عن ابی ھریرۃ : ...... قال

رسول اللہ ﷺ : لقد ظننت یا ابا ھریرۃ أن لا یسألنی عن ھذا الحدیث احد اول منک ، لما رأیت من حرصک علی الحدیث ......‘‘ الخ، اس کا دوسرا طرف بھی ہے: ۶۵۷۰، فتح الباری، ۱/ ۲۵۵ ومابعد۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت احادیث کے باب میں رسول اکرم کی زبان مبارک سے متعدد بلکہ متواتر اپنے کلام کو حدیث قرار دینے کا ذکر ملتا ہے، اس میں صحابہ کرام کے حدیث کے فہم واصطلاح کا بھی ذکر شامل ومقرون ہے، اس طرح یہ باب تقریر نبوی کا باب بھی بن جاتا ہے، جس پر بحث بعد میں آتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ دوسیؓ کی حرص حدیث کا ذکر اوپر فرمان رسول اکرمؐ میں آچکا ہے جس میں زبان رسالت مآبؐ نے اپنے کلام کو اصطلاحی حدیث قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک فہم واصطلاح حدیث کے شواہد بہت ہیں کہ وہ مکثرین حدیث میں سے تھے، ان کی کثرت حدیث کی شاہد یہ روایت ہے: حدیث بخاری ۱۱۸: ...... عن ابی ھریرۃ قال : ان الناس یقولون : اکثر ابو ھریرۃ ، ولولا آیتان فی کتاب اللہ ماحدثت حدیثاً ، ثم یتلو : ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات — الی قولہ — الرحیم (البقرہ: ۱۵۹-۱۶۰) ...... الخ، اطراف حدیث: ۱۱۹، ۲۰۴۷، ۲۳۵۰، ۳۶۴۸، ۷۳۵۴؛ فتح الباری، ۱/ ۲۸۲ ومابعد؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ ، فضائل ابی ہریرۃ ...... حدیث: (۶۳۹۷) ۱۵۹ (۲۴۹۲): ’’ان ابا ھریرۃ یکثر الحدیث عن رسول اللّٰہ ‘‘۔

اس کے بعد کی حدیث بخاری -۱۱۹: میں حضرت ابو ہریرہ کے کلام نبوی کو حدیث کہنے کا ذکر ملتا ہے اور رسول اکرمؐ کی ’’تقریر‘‘ کا ثبوت بھی، وہ دونوں کے نزدیک حدیث کے لفظ کو اصطلاح ثابت کرتا ہے: ’’...... عن ابی ھریرۃ قال : قلت : یا رسول اللہ ، انی اسمع منک حدیثا کثیرا أنساہ ، قال : "ابسط ردائک" فبسطتہ ، قال : فغرف بیدیہ ثم قال : "ضمّہ" ، فضممتہ ، فانسیت شیئا بعدہ‘‘، فتح الباری، ۱/ ۲۸۴، بخاری، کتاب المناقب کے حوالے سے المعجم المفہرس میں ’’فما نسیت حدیثا بعد‘‘ نقل کیا گیا ہے جو دُہری تصدیق ہے، مسلم، مذکورہ بالا میں بخاری جیسا جملہ ہے اور مسلم کی دوسری احادیث

رسول اکرمؐ کے حدیث بیان کرنے کا ذکر ہے جیسے (۶۳۹۸) میں ہے: ''و لم یذکر فی حدیثه الروایة عن النبی ﷺ'' اور حدیث (۶۳۹۹) ۱۶۰ (۲۴۹۳) میں زیادہ واضح الفاظ و بیانات ہیں: ''...... ان رسول الله ﷺ لم یکن یسرد الحدیث کسردکم''، نیز (۲۴۹۲) جو گذشتہ احادیث بخاری و مسلم کی زیادہ واضح تصدیق کرتی ہے کیوں کہ اس میں مہاجرین و انصار کے حضرت ابو ہریرہؓ کی مانند احادیث نہ بیان کرنے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت احادیث کا ذکر ہے: ''...... ان ابا هریرة قد اکثر ...... ما بال المهاجرون والانصار لا یتحدثون مثل احادیثه ......''، اس میں رسول اکرمؐ کے اپنی حدیث بیان کرنے اور حضرت ابو ہریرہ کے اخذ کرنے کا ذکر ہے'' ...... ولقد قال رسول الله ﷺ یوما ایکم یبسط ثوبه فیاخذ من حدیثی هذا، ثم یجمعه الی صدره فانه لم ینس شیئا سمعه، فبسطت بردة علی، حتی فرغ من حدیثه، ثم جمعتها الی صدری، فما نسیت بعد ذلک الیوم شیئا حدثنی به ......'' نیز حدیث مسلم (۶۴۰۰) وغیرہ، حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے بہ کثرت اصطلاح حدیث کا ذکر ملتا ہے، جیسے حدیث ترمذی: ۷۹ ''...... اذا سمعت حدیثا عن رسول الله ﷺ فلا تضرب له مثلاً''؛ حدیث مسلم (۴۶۲۲) (۸۴) (۱۷۸۰) وغیرہ۔

(ب) صحابہ کرام کے نزدیک حدیث: رسول اکرمؐ کے انتخاب و تمیز کی بنا پر صحابہ کرام نے کلام نبوی کو ہمیشہ حدیث سمجھا، ان کا یہ خیال و فکر، نظریہ و تعریف اور دینی اصطلاح خاص کا معاملہ عہد نبوی کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ ہر دور میں انہوں نے حدیث کو خالص اس کے اصطلاحی معانی میں استعمال کیا اور اپنے شاگردوں اور راویوں کو سمجھایا بھی، اس کے ثبوت میں ذخیرۂ حدیث سے ایک پورا دفتر پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک موضوع تحقیق بھی ہے مگر اس مختصر مقالے میں صرف چند احادیث مختلف صحابہ کرام کے حوالے، سند اور واسطے سے پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث بخاری: ۶۴۹۷: حضرت خدیفہ بن الیمانؓ سے مروی ہے جس کا متعلقہ حصہ یہ ہے ''حدثنا رسول الله ﷺ حدیثین: رأیت احدهما وانا انتظر الآخر ......'' الخ (رسول اللہؐ نے ہم سے دو حدیثیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک دیکھ چکا اور دوسری کا منتظر

ہوں)، اس کے دو اطراف بھی ہیں: ۷۰۸۶، ۷۲۷۶: جن میں سے اول الذکر میں متعلقہ حصہ موجود ہے، فتح الباری، ۴۰۴/۱۱؛ ۴۹/۱۳، ۳۰۶ و مابعد، نیز حدیث بخاری: ترجمۃ الباب، باب قول المحدث / کتاب العلم، فتح الباری، ۱۹۰/۱؛ دیگر کتب حدیث وغیرہ۔

حدیث بخاری - ۸۱ میں حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میرے بعد کوئی بیان نہیں کرے گا: ''عن انس قال : لا حدثنکم حدیثا لا یحدثکم احد بعدی'' الخ (فتح الباری، ۲۳۵/۱)، صحابی موصوف نے کثرت روایت حدیث سے گریز کے ضمن میں نبوی وعید کی حدیث سنا کر کثرت حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (مقدمہ مسلم وغیرہ)

دوسرے صحابہ کرام سے حدیث نبوی کے بہ طور اصطلاح مروی ہونے کے شواہد بہت ہیں لہذا صرف مختصر حوالے دیے جاتے ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ: حدیث ترمذی: ۲۶۵۶: نضر اللّٰہ امرءًا سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ ...... الخ، حضرات عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے بھی یہی حدیث مروی ہے جس میں لفظ حدیث کی جگہ مقالتی یا شیئا ہے: ۲۶۵۷-۲۶۵۸، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سہمیؓ بہ قول حضرت ابو ہریرہؓ رسول اکرمؐ کی احادیث لکھ لینے کے سبب اکثر الحدیث تھے، حضرت ابوشاہ یمنی اور ایک انصاری صحابی کو بالترتیب حدیث لکھوا کر دی اور حدیث لکھنے کی اجازت دی تھی، احادیث ترمذی: ۲۶۶۶ - ۲۶۶۸؛ کتاب / ابواب العلم میں ایسی بہت سی احادیث دیگر صحابہ کرام سے مروی ہیں جن میں حدیث کو بہ طور اصطلاح لکھا گیا ہے۔

(ج) تابعین کی اصطلاح حدیث:　　حضرات صحابہ کرام کے تابعی راویان عظام بھی کلام نبوی کو اصطلاحی حدیث سمجھتے اور قرار دیتے تھے، متعدد احادیث میں ہی ان کے ثبوت ملتے ہیں، ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے بیان و وعظ میں بالعموم احادیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے کہ مبادا رسول اکرمؐ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت ہو جائے، (حدیث بخاری: ۱۰۷/ فتح الباری، ۲۶۴/۱، حضرت زبیر بن عوامؓ ان میں سے ایک تھے، دوسرے صحابہ میں حضرت ابن عمر، شیخینؓ وغیرہ تھے)، اس کے علاوہ وہ ترسیل احادیث میں احتیاط، حزم و تقویٰ

کا بھی خیال رکھتے تھے، تابعی رواۃ کرام نے بعض اصحاب سے احادیث کی روایت کی قلت کا ذکر بہت کیا ہے، ان میں سے چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں:

حدیث بخاری - ۲۷ کے مطابق حضرت مجاہد تابعیؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مدینہ تک سفر میں شریک صحبت وسعادت رہا اور انہوں نے اس دوران صرف ایک ہی حدیث بیان کی: ”عن مجاهد قال : صحبت ابن عمر الى المدينة فلم اسمعه يحدث عن رسول الله ﷺ الا حديثا واحدا ......“ الخ۔ (فتح الباری، ۱؍۲۱۷ و مابعد)

حضرت امیر المومنین عمر بن عبد العزیز امویؒ نے حضرت ابو بکر بن حزم انصاریؒ کو مراسلہ بھیجا کہ رسول اکرمؐ کی حدیث کو تلاش کر کے لکھ لو کیوں کہ مجھے علم کے چھن جانے اور علما کے چلے جانے کا خوف ہے مگر صرف حدیث النبیؐ کو قبول کرنا: ”وكتب عمر بن عبد العزيز الى ابى بكر بن حزم : انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه و لا تقبل الا حديث النبى ﷺ ......“ الخ۔ (فتح الباری، ۱؍۲۵۶)

دوسرے تابعین کرام کے نزدیک حدیث کے خالص اصطلاح ہونے کے شواہد بھی بہ کثرت ملتے ہیں، ان کے چند مختصر حوالے فتح الباری اور دیگر شروح میں موجود ہیں۔

تبع تابعین سے مولفین حدیث تک: حدیث کو صحیح کلام نبوی سمجھ کر اسی کے لیے خالص اصطلاح قرار دینے کا سلسلہ کافی دراز ہے، جس طرح رسول اکرمؐ نے اپنے کلام مبارک اور کلام نبوت کو حدیث قرار دیا تھا، اسی طرح صحابہ کرام نے بھی اسے اصطلاح ہی سمجھا اور قرار دیا اور حدیث سے صرف اور صرف رسول اکرمؐ کا کلام نبوت سمجھا، صحابہ کرام نے یہ فہم، تصور و نظریہ اور اصطلاح بھی ذخیرۂ حدیث کے ساتھ اپنے تابعی شاگردوں کے حوالے کیا اور تابعین کرام نے اپنے جانشین تبع تابعین کو اسی سے مالا مال کیا اور یہ سلسلہ بعد میں بھی چلتا رہا۔

تدوین حدیث کا زبانی اور تحریری سلسلہ عہد نبوی سے عظیم ترین کتب حدیث کے زمانے تک برابر جاری رہا، چھوٹے چھوٹے صحیفوں سے آغاز ہوا اور ضخیم جوامع و مسانید و صحاح اور سنن وغیرہ تک وہ بھی دراز و جاری رہا، امام مالک بن انسؒ کی موطا سے عظیم ترین کتب حدیث کا آغاز ہوا اور تیسری صدی ہجری / نویں صدی عیسوی تک صحاح عشرہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی،

ابن ماجہ، احمد بن حنبل، دارمی وغیرہ مدون ہو چکی تھیں اور اس پورے دور میں کلام نبوی کو ''حدیث'' خالص حدیث قرار دیا گیا اور اس کی اصطلاحی حیثیت پختہ ترین ہوگئی۔

اس خالص حدیث قرار دینے پر زور ایک نکتہ کو ابھارنے کے لیے دیا جارہا ہے جو ہمارے نقطۂ نظر سے اہم ترین ہے، ان میں سے کسی نے بھی حدیث کے ساتھ صحیح کی صفت لگا کر صحیح حدیث اور غلط وغیرہ کی نسبت اس کی طرف نہ کی، حدیث سے مراد و مقصود صرف رسول اکرمؐ کا فرمان و سنت ہی ہوتا تھا اور غلط کا انتساب ہی نہیں کیا جاتا تھا کیوں کہ رسول اکرمؐ نے بڑی سختی کے ساتھ اپنی ذات والا صفات اور اپنے کلام نبوت مآب کی طرف جھوٹ کی نسبت کی ممانعت کی تھی اور ایسی جسارت کو جہنم میں ٹھکانا بنانے کے مترادف قرار دیا تھا، اہل ایمان و یقین نے اس سے کلی اجتناب کیا، مسلم (۲) ا، (ا) ''لا تکونوا علیّ فانه یکذب علیّ یلج النار: ۳ ومابعد: من کذب علیّ متعمدا فلیتبوا مقعده من النار''، کتب حدیث میں کتاب العلم کے متعلقہ ابواب میں یہ احادیث بہ کثرت منقول و مروی ہیں، ابن الجوزی، کتاب الموضوعات، ۱/ ۵۶-۱۷، ایسی تمام احادیث کو جمع کیا ہے۔

(ب) اصطلاح نبوی کی دوسری جہت: کلام نبوت یا حدیث کو اصطلاح قرار دینے کی دوسری نبوی جہت اس مسئلہ کا دوسرا پہلو ہے، اس میں دراصل یہ حقیقت پنہاں ہے کہ اس جہت کو نظر انداز کردینے یا اس میں تساہل برتنے ہی سے فتنہ پیدا ہوتا ہے، رسول اکرمؐ نے اسی ''فتنۂ نفرت انگیز'' کی اس ماں کی کوکھ میں سرکوبی کے لیے دو طرح کی ہدایات دی تھیں، ایک یہ کہ مجھ سے زیادہ احادیث روایت کرنے / نقل کرنے سے احتراز کرو کہ کثرت روایت و بیان غلطیوں کی طرف لے جاتا ہے، دوسرے یہ کہ مجھ پر جھوٹ نہ باندھو: ''من کذب علیّ متعمداً ......'' اس میں ارادتاً اور سہواً دونوں طرح کے جھوٹ شامل ہیں، مقدمہ مسلم میں اور دوسری کتب میں اس قسم کی احادیث موجود ہیں، ان کا ایک مختصر تجزیہ درج ذیل ہے۔

کثرت حدیث کی ممانعت: ''ایاکم و کثرة الحدیث منّی'' حمّ؛ مقدمہ، ابن ماجہ، ''کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع'' مسلم مقدمہ (۷) ومابعد۔

امام مسلم نے ''باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع'' میں مختلف امامان حدیث

جیسے مالک بن انس، عبدالرحمان بن ہندی وغیرہ کے اقوال اور بعض صحابہ کرام جیسے عبداللہ بن مسعود کی احادیث کا بھی ذکر کیا ہے، جن کی کثرت میں پنہاں خطرات کا واضح ذکر ہے۔

علم ویقین پر مبنی حدیث کی روایت: ''اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم'' حدیث ترمذی: ۲۹۵۱ بہ روایت حضرت ابن عباسؓ، یہ حدیث اپنے طبقہ کی نمایندہ ترین ہے، اس میں واضح حکم موجود ہے کہ جس کو علم ویقین کی بنا پر حدیث سمجھتے ہو صرف اسی کو بیان کرو، اس میں گمان، ظن وتخمین محض دوسرے کی روایت و بیان وغیرہ کا سد باب کیا گیا ہے۔ (پٹنی، تذکرۃ الموضوعات، ۶)

جھوٹ کو حدیث کہنے کی ممانعت: ''من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین'' اس حدیث میں رسول اکرمؐ نے جھوٹ کو حدیث سمجھنے اور پھر بھی اسے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے، حدیث کو جھوٹ (کذب) نہیں کہا گیا ہے، حدیث مسلم-۱، مقدمہ میں اولین خبر؛ حدیث ترمذی: ۲۶۶۲: ''من حدث عنی حدیثا الخ'' بہ روایت حضرت مغیرہ بن شعبہ یہی حدیث حضرت سمرہ بن جندب سے مروی ہے وراس میں صحابہ کرام کی اصطلاح بھی ہے اور آخری تبصرہ بہت اہم ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی حدیث بیان کرے جس کی نبی اکرمؐ سے اصل مروی نہیں ہے، وہ جھوٹا ہے۔

موضوع روایات: ''حدیث'' کے خالص اور نہ خالص ہونے کا فتنہ اس وقت پیدا ہوا جب غیر محتاط راویوں، مفاد پرست قصہ گویوں اور دوسرے فتنہ پردازوں نے ''حدیث'' میں اپنی منکر روایات داخل کرنے کا دروازہ کھولا، اس وقت ''وضع حدیث'' کے فتنہ وہم سے بحث ہے اور نہ اس کے اسباب وعلل سے ہی، ان پر کافی مواد موجود ہے، اصل قابل غور نکتہ یہ ہے کہ راویوں کے اتقان وحفظ وغیرہ کے سبب ان کی اقسام رجال بنیں اور ان کی احادیث کی حیثیت متعین ہوئی، اسی کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بہ قول امام مسلم حدیث میں منکر اور غلط کا عنصر شامل ہوتا گیا، رجال اور رواۃ متہم ہوئے اور ان کی روایات منکرات ٹھہریں اور پھر احادیث کی اقسام کا نظریہ وجود میں آیا، احادیث کی تمام اقسام واصناف صرف راویوں کی درجہ بندی اور ثقاہت وعدم ثقاہت پر مبنی ہیں، یہ بہت قابل غور نکتہ ہے، اس تمام بحث ومباحثہ میں ''اخبار صحیحہ مشہورہ''، احادیث ضعیفہ،

روایات منکرہ اور اخبار معللہ کا ذکر امام مسلم نے کیا ہے، مقدمہ کے مختلف ابواب اور دوسری کتب علوم حدیث کے مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ کسی امام حدیث اور ناقد نے من گھڑت روایات کو احادیث موضوعہ یا موضوع احادیث نہیں کہا یا ان کو کسی طرح اصطلاح حدیث میں شمار کیا ہے، امام مسلم نے ان کے لیے حسب ذیل الفاظ استعمال کیے ہیں:

اہل حدیث کے نزدیک متہم (متھمون) کی تخریج احادیث سے احتراز کیا جو ''وضع احادیث وتولید الاخبار'' سے متہم تھے۔

جن کی حدیث پر منکر اور غلط غالب تھا ان کی حدیث سے بھی اجتناب کیا۔

روایۃ المنکر من الحدیث۔

الاخبار المعللۃ / سقیم روایات۔

الاحادیث الضعیفۃ۔

الروایات المنکر ۃ / الاخبار المنکر ۃ۔

دوسرے متقدمین اور اکابر محدثین کے ہاں بھی اس فتنہ انگیز اصطلاح ، موضوع احادیث، کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

وضع احادیث کا فتنہ اور موضوع روایات: امام مسلم جیسے متقدمین نے بھی وضع احادیث کے فتنہ کا ذکر اسی لفظ شنیع کے ساتھ کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے متعدد ناقدین حدیث اور جامعین حدیث نے بھی اس موضوع پر خاصا مفصل کلام کیا ہے، ان میں سے بہت سے صاحبان قلم نے ''الاخبار الموضوعة'' اور ''الاحادیث الموضوعة'' کے نام واصطلاح کا استعمال بھی کیا ہے اور اسی عنوان سے متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں تاکہ موضوعات کی پہچان کی جاسکے اور ان کی روایت وقبول سے بچا جاسکے لیکن ان تمام صاحبان علم وحدیث اور ناقدان فن وکلام نبوی نے موضوعات کو کبھی بھی احادیث نبوی نہیں سمجھا، موضوع احادیث کہنے کا سلسلہ خاصا دراز ہے اور اولین صدیوں سے موجودہ دور تک وہ پایا جاتا ہے، اس کی شاہد ان کے مولفین کی کتب، رسائل اور تنقیدات ہیں جیسے امام سیوطی کی ''اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة''، امام مقدسی کی ''الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة''، ملاعلی قاری (م ۱۰۱۴/ ۱۶۰۵)

کی ''الاسرار المرفوعة فی الاحادیث الموضوعة''، امام شوکانی (محمد بن علی، م ۱۲۵۰/ ۱۸۳۴) کی ''الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة''، شیخ ازہری (ابوعبداللہ مالکی، م ۱۳۲۵/ ۱۹۰۷) کی ''تحذیر المسلمین من الاحادیث الموضوعة'' الخ، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴/ ۱۸۸۷) کی '' الآثار المرفوعة من الاحادیث الموضوعة'' اور عصر حاضر کے مجدد علوم حدیث اور ناقد فن وعلم ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰-۱۹۹۹ء) کی ''سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة''، ان کے علاوہ متعدد دوسری کتابیں بھی ہیں اور مقالات بھی، ان تمام کتابوں کے عناوین درحقیقت ایک چلتے ہوئے لفظ وکلمہ یا چلن میں آچکی ترکیب کے زائیدہ ہیں، یعنی وہ صرف روایتی تقلید ہے، ورنہ ان بزرگوں کو بھی ہم سے زیادہ معلوم تھا کہ یہ ترکیب ہی غلط ہے اور اس کا پیغام ومعنی اس سے زیادہ گم راہ کن ہے، پھر ان تمام اکابر کے مباحث سے اور ان کے بین السطور مفاہیم سے قدم قدم پر واضح ہوتا ہے کہ ان کی مراد موضوع روایات ہیں۔

کتب موضوعات: ان عظیم روایتی اہل قلم وصاحبان اصطلاح کے بالمقابل ایک دوسرا طبقہ محدثین وناقدین بھی ہے، وہ بھی اس فتنہ وضع اور اس کے زیر اثر کتب کا ذکر کرتا ہے اور اقسام حدیث میں موضوعات کو بھی شمار کرلیتا ہے، تاہم وہ ان کے لیے ''موضوع احادیث یا الاحادیث الموضوعة'' کہنے سے گریز بھی کرتا ہے اور اپنی کتب کے ناموں کو اس سے ملوث نہیں کرتا، وہ بیشتر معاملات میں ایسی موضوع روایات کو ''موضوعات'' ہی لکھتا اور قرار دیتا ہے جو اہم تر ہے، شیخ فریوائی نے امام جوزقانی کی کتاب الاباطیل والمناکیر کے مقدمے ان میں سے بہت سی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں صرف موضوعات کا ذکر ہے، ان میں سے ایک عظیم ترین محدث وناقد فن امام ابن جوزی (عبدالرحمان بن علی، م ۵۹۷ھ/ ۱۲۰۰ء) جن کی کتاب کا عنوان ہے کتاب الموضوعات (دار الكتاب العلمية بيروت، ۱۹۹۵ء)، ان کے علاوہ دوسرے اکابر فن جنھوں نے موضوع احادیث کہنے سے یا اپنی کتابوں کو اس سے موسوم کہنے سے گریز کیا ہے، حسب ذیل ہیں:

محمد بن عمرو عقیلی (م ۳۲۲/ ۹۳۴)، کتاب الموضوعات۔

محمد بن علی اصفہانی حنبلی (۴۱۴/ ۱۰۲۸)، کتاب الموضوعات۔

محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷/ ۱۱۱۳)، تذکرة الموضوعات۔
حسن بن محمد صنعانی (م ۶۵۰/ ۱۲۵۲)، کتاب الموضوعات، القاہرہ ۱۹۸۰ء۔
عمرو بن علی قزوینی موضوعات المصابیح۔
عمر بن بدر بن سعید موصلی (م ۵۵۷-۶۲۲/ ۱۱۶۲-۱۲۲۵) العقیدة الصحیحة فی الموضوعات الصریحة۔
محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۶/ ۱۵۷۸)، قانون الموضوعات / تذکرة الموضوعات، طباعۃ منیریہ ۱۳۴۳ھ۔
محمد بن احمد الذہبی (م ۷۶۸/ ۱۳۷۶)، ترتیب الموضوعات لابن الجوزی، موضوعات مستدرک الحاکم۔
ملا علی قاری (م ۱۰۱۴/ ۱۶۰۵)، موضوعات کبیر۔
ابراہیم بن عثمان بن ادریس بن درباس (سنہ نہیں مل سکا)، تلخیص الموضوعات/ مختصر الموضوعات۔
سیوطی (م ۹۱۱/ ۱۵۰۵)، التعقبات علی الموضوعات، الزیادات علی الموضوعات۔
متعدد اکابر محدثین نے تو ان موضوع روایات کو موضوعات سے زیادہ سخت لفظ سے موسوم کیا ہے، ان میں سے ایک امام حسین بن ابراہیم ہمدانی جوزقانی (م ۵۴۳/ ۱۱۴۸) ہیں جن کی کتاب کا عنوان بڑا معنی خیز و دلچسپ ہے: کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر، تحقیق و تعلیق عبدالرحمان عبدالجبار الفریوائی، جامعہ سلفیہ وارانسی ۱۹۸۵ء، جلال الدین سہودی، الغماز علی اللماز، مکتبہ دار اللواء، ریاض۔
امام عبدالرحمان بن علی شیبانی (م ندارد) نے موضوعات پر اپنی کتاب کا نام رکھا ہے: تمیز الطیب من الخبیث ۔
محمد بن خلیل القارقجی (م ۱۳۰۵/ ۱۸۸۸)، اللولؤ الموضوع فیما قیل، لا اصل له، او باصله موضوع ۔
احمد بن عبدالکریم العامری الغزی، الجد الحثیث فی بیان ما لیس بحدیث۔

موضوعات حدیث نہیں: موضوع روایات پر لکھنے والے تمام اہل قلم نے بہ بانگ دہل اعتراف واظہار کیا ہے کہ موضوع روایات حدیث یا احادیث نہیں ہوتیں، یہ اعتراف تو احادیث کا اطلاق موضوعات پر کرنے والوں کو بھی ہے کہ "موضوع روایت واقعتاً حدیث نہیں ہوتی" لیکن ان موضوعات پر احادیث کا اطلاق کرنے کی بھی وکالت کی ہے اور اس کا سارا زور دو نکتوں پر ہے ایک یہ کہ "......اس کے لیے حدیث کا لفظ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ اسے وضع کرنے والا اس کے حدیث ہونے کا مدعی ہوتا ہے"، دوسری دلیل یہ ہے کہ "محدثین کرام نے "موضوع احادیث" کی ترکیب استعمال کی ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا"۔ (استدراک مولانا محمد رضی الاسلام ندوی، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری - مارچ ۲۰۰۸ء، ۴۴ ومابعد؛ اس کے بعد کتب موضوعات کے عناوین سے اسے مدلل کیا ہے)

بنیادی طور سے موضوعات پر احادیث موضوعہ/موضوع احادیث کے اطلاق کے لیے یہی دو دلیلیں دی جاتی ہیں یا دی جاسکتی ہیں، ان کا ایک الزامی جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ وضع روایات کے مدعی کے دعوے کی کیا سند وقوت ہے؟ اس طرح تو ایک شخص آیات قرآنی کے وضع کرنے کا دعوا کرسکتا ہے اور حقیقتاً مختلف ادوار میں یہ دعوا کیا بھی گیا ہے تو کیا "موضوع آیات" کی اصطلاح قبول کرلی جائے گی، ابھی تک ایسی کوئی جسارت قبول کرکے اصطلاح نہیں بن سکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی جس طرح محافظت کی ہے، اس کے سبب یہ فتنہ قرآن میں نہیں کھل سکا، دوسرے سبب محدثین کرام نے موضوع احادیث کی ترکیب استعمال نہیں کی، صرف روایتی قسم کے بزرگوں نے کی ہے، کیا اس اقتدائے آبا واجداد کی روایت میں ایک غلط اصطلاح اور فتنہ انگیز ترکیب کو قبول کرلینا ضروری ہے۔

مثبت بحث کا زاویہ یہ ہے کہ بہت سے محتاط اہل قلم نے موضوع احادیث کی ترکیب استعمال نہیں کی، اصول حدیث کی کتابوں میں ایک قسم کی ایسی کتابیں بڑی وقیع ہیں جنھوں نے موضوعات کو موضوعات ہی رکھا، ان کے لیے لفظ حدیث واحادیث کا استعمال واطلاق کرکے ایک غلط ومنکر پر صحیح کا اطلاق نہیں کیا اور تلویث وتلبیس سے محترز رہے، دوسرے تمام اصول حدیث کے علما ومولفین کرام نے موضوعات کو حدیث کہا ہی نہیں، ان کی اقسام حدیث میں اس بحث کے

نمائندہ اہل قلم اوران کی بصیرت افروز تصریحات برابر ملتی ہیں، چند پیش ہیں:

امام ابن جوزی نے حدیث کی چھ قسموں میں چھٹی قسم کو صرف الموضوعات کہا ہے اور اس کو مقطوع اور دم بریدہ قرار دیا ہے کہ وہ محال اور سراسر جھوٹ ہوتی ہے، وہ کبھی اپنی ذات میں موضوع (من گھڑت) ہوتی ہے اور کبھی اس کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف کردی جاتی ہے، حالاں کہ وہ کسی دوسرے کا کلام ہوتا ہے"الموضوعات المقطوع بانها محال و كذب ، فتارة تكون موضوعة فی نفسها و تارة توضع علی الرسول ﷺ وهی كلام غيره"۔ (کتاب الموضوعات ۱/ ۱۳-۱۴)

امام ابن الصلاح (عثمان بن عبدالرحمان شہرزوری، م ۶۴۳/ ۱۲۴۵) نے اپنے مقدمہ میں اگر چہ بعد میں الحدیث الموضوع کا چلتا ہوا لفظ لکھا ہے، تاہم اکیسویں نوع کے آغاز میں اس کو موضوع کہہ کر اس کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ جعلی اور من گھڑت ہے"معرفة الموضوع وهو المختلق المصنوع"، امام موصوف نے اس کے بعد اسے ضعیف احادیث کی ایک قسم بتا کر اس کو بدترین قسم قرار دیا ہے، واضعین حدیث میں سب سے ضرر رساں زہد کی طرف منسوب طبقہ کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ لوگوں نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی موضوعات کو قبول کرلیا"فتقبل الناس موضوعاتهم"۔ (کتاب علوم الحدیث: المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ، ۳۷-۳۸؛ جوزقانی، کتاب الاباطیل والمناکیر الخ، تذکرۃ الموضوعات پٹنی میں بھی اسی قسم کی تعریفات موضوعات دی ہیں)

امام جورقانی نے اپنے مختصر مقدمہ میں کتاب کی تالیف کا سبب لکھا ہے کہ میرے بعض محدث دوستوں نے تقاضا کیا کہ ان کے لیے ایک کتاب لکھ دوں جن میں احادیث معلولہ، اباطیل، اکاذیب، مناکیر ہوں اور وہ تمام بھی جو صحاح اور مشاہیر کے خلاف آئی ہوں تو میں نے ان کی بات قبول کرلی، اس کے بعد رسول اکرمؐ پر جھوٹ باندھنے کی وعید والی حدیث"من كذب علیّ متعمدا فليتبوأ مقعده فی النار"اور اس کے بہت سے اطراف کافی تفصیل سے بیان کیے ہیں (۱-۱۵)، اگر چہ انہوں نے بعض بعض مقامات پر لفظ حدیث بھی استعمال کیا لیکن زیادہ تر ان کو موضوع، باطل، کذب، موضوع، لا اصل لہ، موضوع لا شک فیہ، کذب موضوع باطل مرکب

لا اصل لہ جیسے الفاظ/صیغے استعمال کیے ہیں۔ (مقدمہ مرتب، ۸۴-۸۵)

علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے تذکرۃ الموضوعات کے پیش لفظ میں وضع اور موضوع کے صیغے استعمال کر کے اپنے زمانے اور علاقے میں مشہور کتب موضوع کا ذکر کیا ہے، جیسے موضوعات الصنعانی، موضوعات ابن الجوزی وغیرہ اور ان پر محاکمہ کیا ہے، ان میں سے بعض کتب موضوعات جیسے موضوعات القضاعی وغیرہ سے متعدد موضوعات اور بیان کے اسباب کا ذکر کیا ہے، اس کے آخر میں قانون الموضوعات نامی دوسری کتاب کا ذکر کیا ہے تاکہ لوگوں کو موضوعات اور ضعفا کے بارے میں ایک قانون مل جائے، موخر الذکر کتاب کا موضوع بتاتے ہوئے لکھا ہے "لیکون قانونا کلیا فی معرفة الاخبار الموضوعات وضبط الضعاف والمفتریات الخ" (۱-۴؛ نیز ۲۳۰: قانون الموضوعات میں حروف تہجی کے اعتبار سے تمام واضعین وکذابین کی نام بنام فہرست دی ہے)، انہوں نے "خبر" کی تین اقسام بیان کی ہے، ایک قسم جس کی تصدیق واجب ہے اور وہ وہ ہے جس کی صحت پر ائمہ کی نص ملتی ہو، ایک قسم وہ ہے جس کی تکذیب واجب ہے اور وہ وہ ہے جس کے وضع پر ان کی نص ہو اور ایک قسم میں توقف واجب ہے کہ اس میں دوسری اخبار کی مانند سچ اور جھوٹ کا احتمال پایا جاتا ہے اور موضوع کی روایت جائز نہیں، "ولا یحل روایة الموضوع" (۶)، ایسے واضح بیانات سے ان کی دونوں کتابیں لبریز ہیں تاہم کہیں کہیں غیر شعوری طور سے چلتے نام کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

جدید دور کے علمائے اسلام اور ناقدین فن اور اہل قلم نے بھی اس کو صرف موضوع ہی کہا ہے، ان کی تحریر و بیان میں موضوع حدیث برائے وضاحت آ گیا ہے کہ وہ حدیث کی "اقسام" میں آنا تقریباً ناگزیر ہے، ان اہل بصیرت میں بعض نے بعض علما کا یہ مسلک ونظریہ بیان کیا ہے کہ موضوع کو ضعیف احادیث کی قسم نہیں سمجھتے بلکہ اس کو ایک الگ قسم قرار دیتے ہیں، یہ بہت اہم اور تاریخی اور حقیقی رجحان ہے جو قدیم وجدید میں مشترک ہے، ان میں سے ایک ڈاکٹر محمود الطحان ہیں، انہوں نے اپنی بحث سوم میں "راوی میں طعن کے باعث روایت کو ناقابل قبول قرار دینے" کے مسئلہ سے آغاز کر کے سب سے پہلے "مردود روایت" کا ذکر کیا ہے جس پر سب سے بڑھ کر تنقید ہوتی ہے، انہوں نے "الموضوع" سرخی لگا کر جھوٹی روایت کو موضوع بتایا ہے اور پھر اس کی

لغوی اور اصطلاحی تحقیق اور درجہ پر لکھا ہے:

(الف) لغوی تحقیق: "وضع الشئی" سے اسم مفعول ہے جس کا مطلب ہے "ایک چیز کو اتار کر رکھ دیا"، موضوع حدیث کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کا مرتبہ گرا ہوا ہوتا ہے۔

(ب) اصطلاحی تحقیق: اصطلاح میں موضوع اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے گھڑ لیا جائے اور پھر اس کی نسبت حضورؐ کی طرف کردی جائے۔ (نعوذ باللہ)

موضوع کا درجہ: ضعیف وقبیح روایات میں سے بدترین روایت ہے، بعض علما تو اس کو ایک الگ مستقل قرار دیتے ہیں اور اس کو ضعیف کی قسم میں استعمال نہیں کرتے۔ (تیسیر مصطلح الحدیث، اردو ترجمہ بہ عنوان اصطلاحات حدیث از مولانا مظفر حسین ندوی، دہلی ۱۹۹۹ء، ۸۵ و مابعد)

مولانا محمد سعود عالم قاسمی نے اس کو "موضوع روایت کا حکم" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے اور بیشتر مقامات پر موضوع روایت / روایات ہی قرار دیتے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ چلتے ہوئے نام نے ان کی کتاب کا عنوان داغدار کردیا ہے (فتنۂ وضع حدیث اور موضوع احادیث کی پہچان، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۷ء، ۳۹، نیز ماقبل و مابعد کے صفحات)، موضوعات پر لکھنے والے متعدد قدیم وجدید علما نے ان کو موضوع اخبار، موضوع روایات وغیرہ ہی کہا ہے اور موضوع احادیث کہنے سے گریز کیا ہے، مذکورہ بالا فہرست موضوعات سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں۔

مختصر تجزیہ: علمائے اسلام اور محدثین کرام کا بالخصوص اجماع ہے کہ حدیث رسول اکرمؐ کے قول وفرمان، فعل وعمل اور تقریر (تائیدی سکوت) کو کہتے ہیں، رسول اکرمؐ سے جو شئے مروی نہ ہو اس کو حدیث نہیں کہتے، یہ تو حدیث کی متفقہ تعریف ہے اور اس کی تائید میں بہت سے اقوال وتعریفات کو پیش کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے، اس سے زیادہ اہم یہ تاریخی حقیقت اور زمینی واقعیت ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے کلام مبارک کو حدیث قرار دیا اور آپؐ کے صحابہ کرام نے، ان کے تابعین، شاگردوں اور بعد کے تمام علمائے حدیث نے صرف اسی کو حدیث سمجھا، امام بخاریؒ نے حدیث نبوی میں رسول اکرمؐ کی سنن وایام کو بھی شامل کرکے اسے مزید وسعت دی ہے جیسا کہ ان کی صحیح کے پورے عنوان سے واضح ہوتا ہے اور ان کے استدلال واستشہاد کی بنا پر مصطفیٰ سباعی جیسے جدید علما

نے قبل بعثت کے زمانہ کو بھی شامل کیا ہے۔(بخاری: الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ وسننه وایامه ؛سباعی، السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ۴۷)

حدیث کا اطلاق اقوال واعمال صحابہ کرام بھی بعض علما نے کیا ہے مگر اسی بنا پر کہ وہ ممکنہ حد تک اقوال واعمال اور تقریرات نبوی پر مبنی، ماخوذ یا مستفاد ہیں، مگر یہ تعریف متفقہ نہیں ہے اور اسی طرح تابعین کے اقوال واعمال کا معاملہ ہے، محدثین وعلما نے اس پر مختلف انداز سے بحث کی ہے مگر سب کا اتفاق ہے کہ وہ کلام نبوی ہونا چاہیے، خواہ مراسیل کی شکل میں ہو۔(شمس الدین محمد تبریزی، شرح الدیباج المذہب فی مصطلح الحدیث، ۶-۷ ومابعد؛ تقی الدین ندوی مظاہری، محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ۱۱؛ مناظر احسن گیلانی، تدوین حدیث، سعود عالم قاسمی، مذکورہ بالا، ۱۷-۱۸)

موضوع روایات کے بارے میں بھی اتفاق و اجماع ہے کہ وہ واقعتاً حدیث / احادیث نبوی نہیں ہیں بلکہ ان کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف گھڑنے والوں نے بعض وجوہ سے کردی ہے، وہ یا تو فی نفسہٖ جھوٹ اور غلط ہیں یا کلام غیر ہے، اس کلام غیر کے ہونے کے سبب بھی موضوع روایات کو احادیث کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا ان کو موضوع احادیث، احادیث موضوعہ کہنا بالکل صحیح نہیں ہے، اطلاق کا معاملہ محض اس بنا پر تھا کہ من گھڑت روایات کو گھڑنے اور ان کو احادیث قرار دینے کا دروازہ جب چوپٹ کھل گیا تو متعدد محدثین اور اصول حدیث کے علما نے وضع حدیث اور موضوع احادیث کی ترکیبیں محض ان کے عام چلن کے سبب اختیار کرلیں اور یہ احتیاط کے خلاف معاملہ ہے۔

عدم احتیاط کا ایک اور معاملہ یہ ہے کہ اقسام / اصناف حدیث میں موضوع روایات کو شامل کرلیا گیا، جب کہ ان کا حدیث نبوی سے کوئی علاقہ ہی نہیں تھا، وہ جھوٹ کے پلندے اور کلام غیر کے طومار تھے جو حدیث بنادیے گئے، اقسام حدیث میں ان کا شمار کرنا ہی غلط ہے کہ ان کو سب ہی کلام نبوی، حدیث نبوی نہیں سمجھتے اور نہیں قرار دیتے، دوسری اصناف / اقسام حدیث کا یہ معاملہ نہیں ہے، خاص کر ضعیف احادیث کا کہ ان میں بہر حال بسا اوقات صحت کلام کا امکان غالب ہوتا ہے، پھر یہ تمام اصناف واقسام راویوں کی ثقاہت وعدم ثقاہت کی بنا پر قرار دی گئی ہیں، اسی بنا پر ضعیف احادیث کو قوی احادیث کے مقابل لایا جاتا ہے اور وہ قوی احادیث

کے مقابلہ میں علل رکھنے کے سبب ہی ضعیف بنی ہیں، لہذا ضعیف احادیث کو موضوع روایات سے الگ اور ممتاز کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ بعض علما کا خیال ہے۔

حزم و احتیاط کا تقاضا پہلے بھی تھا اور اب اور زیادہ ہے کہ روایات و منکرات کو گھڑنے کے لیے موضوع روایات و منکرات کو گھڑنا کہا جائے اور ان کے لیے وضع حدیث اور موضوع احادیث کی اصطلاح / تراکیب سے بچا جائے، متقدمین نے بالخصوص اور بعد کے محدثین نے بالعموم وضع حدیث کی ترکیب تو کبھی کبھی استعمال کرلی ہے کہ ناگزیر بن گئی تھی مگر موضوع احادیث سے اور اس اصطلاح کو استعمال کرنے سے انہوں نے اجتناب کیا ہے اور ان کو موضوعات ہی کہا ہے، غلط اطلاق کرنے والے اہل علم کے مقابلے میں موضوعات یا موضوع روایات وغیرہ کا استعمال حقیقت کو خود اجاگر کردیتا ہے، قدیم و جدید محدثین کرام نے احادیث کے پاک ذخیرے کو موضوعات یا موضوع روایات سے قطعی پاک و صاف کردیا ہے، صرف یہی نہیں ان کی مسلسل مساعی جمیلہ نے صحیح ذخیرۂ حدیث کو قطعی الثبوت بھی بنادیا ہے جس سے صرف منکر کو انکار ہوسکتا ہے، اس ہیچمدان نے ایک نقطۂ نظر اہل علم و فن کے سامنے پیش کیا ہے کہ صحیح کو احادیث اور موضوع کو روایات کہا جائے، ماہرین فن اور صاحبان تحقیق یقیناً متقدمین میں سے کسی نہ کسی سے اس کی تائید تلاش کرلیں گے کیوں کہ وہ ایک بدیہی حقیقت ہے، کورانہ تقلید کے خوگر اگر اب بھی موضوع روایات کو موضوع احادیث کہنے پر مصر ہیں تو یہ ان کا انتخاب ہے مگر حدیث نبوی اس سے بری ہے۔

عہد نبوی میں ذات رسالت مآب ﷺ پر مشرکوں کے اعتراضات

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس

انبیائے کرام علیہم السلام کا گروہ مقدس انسانیت کا گل سرسبد ہے، یہ نہ ہوتے تو انسانیت راکھ کا ڈھیر ہوتی، انسانیت کی حیات معنوی اسی گروہ کے طفیل ہے، یہ نفوس مطہرہ زمین پر خدا کے ترجمان ہیں، انسانی ہدایت کا واحد ذریعہ انبیاء کی تعلیمات ہیں اور انبیاء اپنی تعلیمات کے مجسم اور محسوس پیکر، اسی لیے قرآن کریم نے جابجا انبیاء کی داستانیں نقل کی ہیں، یہ چند افراد کے قصص نہیں بلکہ زمین پر انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے بپا ہونے والی تحریک کی داستان عزیمت ہے، جس نے سب سے زیادہ انسانیت کو متاثر کیا، کسی نظریہ نے انسانی تہذیب پر وہ اثرات مرتب نہیں کیے جو نظریہ نبوت و رسالت نے کیے۔

جن قوموں نے اپنے تکبر، خود غرضی، خود پرستی اور ذاتی مفادات کے تحت انبیائے کرام علیہم السلام کا انکار کیا، اس طائفہ زکیہ سے بے نیازی برتی، ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور ان کی قدر و قیمت نہ جانی، تو ان کی یہ سفاہتیں اس قوم کو بالآخر لے ڈوبیں، آج بھی انبیاء و رسل کی تعلیمات سے اعراض کا نتیجہ پستی و تنزلی کی صورت میں سامنے ہے۔

اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی امام الانبیاء فخر کون و مکاں محمد مصطفیؐ ہیں، آپؐ کا پیغام دائمی اور آپؐ کی امت آپؐ کا عظیم معجزہ ہے، تمام انبیاء کے پیغام کی تکمیل آپؐ سے ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ۔ (المائدہ: ۳)

تمام انبیاء کے کمالات ظاہری و باطنی کا ظہور آپؐ کی ذات اقدس سے ہوا، آپؐ پر بھی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، جی سی یونی ورسٹی، لاہور۔

تکالیف آئیں، منکرین، مخالفین اور معاندین نے اس پیکر رحمت وشفقت کے بارے میں کئی قسم کی غلط فہمیاں پھیلائیں، تاکہ آپؐ کے حلقۂ عقیدت ومحبت میں آنے سے لوگوں کو روکا جائے لیکن اس پیکر خوباں کے بارے میں ہر غلط فہمی کا جواب خود پروردگار نے دیا بلکہ آپؐ کو جابجا تسلیاں بھی دیں اور بتایا کہ جرائم پیشہ لوگوں نے ہمیشہ انبیاء کی مخالفت کی ہے۔(۱)

آپؐ پر اعتراض کرنے والے لوگ دو طرح کے تھے، ایک تو وہ جنہوں نے اصل نبوت پر ہی اعتراض کیا، ان لوگوں کا یہ اعتراض نقل فرمایا کہ أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔

دوسرا گروہ وہ تھا جنہوں نے حقیقت نبوت پر اعتراض نہ کیا مگر ان کے نزدیک آپؐ کی نبوت قابل اعتراض تھی، یہ یہود ونصاریٰ کا گروہ تھا، ان کے اعتراضات کے جوابات قرآن مجید نے متعدد مقامات پر دیے، ان کے اعتراضات کئی طرح کے تھے، جیسے: (الف) قرآن کریم پر اعتراضات، (ب) معجزات کی طلب۔(۲)

علاوہ ازیں ان لوگوں نے جناب رسالت مآبؐ کی ذات اقدس کے بارے میں بھی کئی قسم کی طعنہ زنی کی لیکن حاسدین کی تمام تر کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے ناکام بنایا، اسلام کو عزت و سرفرازی عطا فرمائی اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا وعدہ پورا فرمایا لیکن آج بھی اُس زمانہ کے منکرین کی ذریت معنوی ان ہی کے اعتراضات کو نئے قالب میں پیش کر رہی ہے، تاکہ تاریخ انسانی کے اس نازک ترین موڑ پر نئی نسل کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم غیر جانب دار تحقیقات کے ذریعہ حقائق کو سامنے لا رہے ہیں، حالاں کہ اکثر نے تحقیق کے نام پر تدلیس کا فریضہ کا انجام دیا، فرق اتنا تھا کہ عہد رسالت میں ان کو کفار، یہود ونصاریٰ یا مشرک کہتے تھے اور اب وہ "مستشرق" کے لقب سے موسوم ہوئے، آپؐ کے معاصر یہود ونصاریٰ کی مخالفت کے بعد سب سے پہلے جس نے اسلام کے خلاف اس تحریک کا آغاز کیا وہ ساتویں صدی کا پادری "جان" تھا، جس نے آپؐ کے بارے میں طرح طرح کی جھوٹی باتیں گھڑیں اور لوگوں میں مشہور کردیں، جان آف دمشق کے یہی خرافات مستقبل کے استشراقی علما کا ماخذ ومصدر بن گئے اور قرآن مجید کے بعد آنحضرتؐ کی ذات گرامی ہی ان کا خاص ہدف بنی۔(۳)

پیش نظر تحریر میں ان اعتراضات کے جوابات نقل کرنے کی سعی کی گئی ہے جو آپؐ کے

عہد کے مخالفین نے کیے، اس جائزہ سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ہر دور میں آپؐ کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں کی نوعیت ایک ہی رہی ہے، کیوں کہ ان اعتراضات کے پیچھے سرکشی وطغیانی، بغض وعداوت اور حسد وکینہ جیسے جذبات رہے ہیں، جوابات کے قرآنی اسلوب سے عصر حاضر کے مستشرقین کو جواب دینے کے مناہج اور امت کی ذمہ داریوں کا تعین بھی ہوگا۔

۱- آپؐ نعوذ باللہ کاہن ہیں:

کاہن غیبی اسرار بتانے والے کو کہتے ہیں، قرآن کریم نے نبی کریمؐ پر اس بہتان کی تردید کرتے ہوئے کہا:

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُونٍ ۔(الطور:۲۹)	پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے کاہن ہیں نہ مجنون۔

آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"یہ لوگ آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی مجنون، ان کا یہ قول خود اپنی تردید کر رہا ہے، ایک ہی شخص کاہن اور مجنون نہیں ہوسکتا، کاہن تو وہ شخص ہے جو اپنے اندر مافوق الفطرت بصیرت اور فراست کا مدعی ہوتا ہے، وہ لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتا ہے اور ان کے سربستہ رازوں کا انکشاف کرتا ہے، اس کا کلام مقفیٰ اور مسجع ہوتا ہے، اس کا اسلوب اور اس کا لہجہ عام لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے، اس کے برعکس مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عقل میں فتور واقع ہو جائے، جو غور وفکر کی صلاحیت سے محروم ہو جائے، اس کی باتیں بے ربط اور اس کے کام بے ہودہ ہوتے ہیں، تمہارے اس الزام کے ابطال کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ وہ ازخود اپنے ابطال کے لیے کافی ہے"۔(۴)

آیت کریمہ میں بِنِعْمَتِ رَبِّكَ کی معنویت کو امین احسن اصلاحی نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے: بِنِعْمَتِ رَبِّكَ کے الفاظ یہاں دلیل کے محل میں ہیں یعنی آپ پر تمہارے رب کا جو فضل وانعام ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ آنکھیں اور عقل رکھنے والوں سے وہ مخفی رہ سکے، آپ کی زبان فیض ترجمان سے اللہ تعالیٰ نے جو چشمۂ حکمت ومعرفت جاری کر رکھا ہے، اس کو کاہنوں کی خرافات سے کیا تعلق؟ آپ جس کردار کے حامل ہیں کسی کاہن کے اندر اس کا کوئی ادنیٰ پرتو بھی

پایا گیا ہے؟ آپ راست بازی اور حق گوئی کے مظہر کامل ہیں اور کاہن دروغ گو اور لپا پیے ہوتے ہیں، آپ روح القدس سے فیض پاتے ہیں اور کاہن شیاطین سے الہام حاصل کرنے کے لیے کان لگاتے ہیں اور اس میں بھی وہ بالکل جھوٹی نمائش کرتے ہیں۔(۵)

اس تسلی بھرے انداز کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مخالفت کے اصل سبب کو بھی بیان کردیا:

اَمْ تَأْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَا اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (الطور:۳۲)	کیا ان کی عقلیں ان کو ان (مہمل) باتوں کا حکم دیتی ہیں یا یہ ہیں ہی سرکش لوگ۔

اس قسم کی تہمتوں اور الزامات کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ان کی عقل کا فرمان نہیں بلکہ ان کا سرچشمہ روح، سرکشی اور عصیان ہے جو ان افراد پر غالب ہے جو وہ اپنے نامشروع منافع کو خطرے میں دیکھتے ہیں تو عقل کو الوداع کہہ دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کے فرمان کے مقابلہ میں طغیان وسرکشی پر اتر آتے ہیں۔(۶)

۲- آپؐ اللہ کے رسول نہیں:

یہ بھی اعتراض تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول نہیں، قرآن کریم نے اس مغالطہ کو یوں رد کیا:

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (یٰسین:۱-۳)	پس قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

قالت کفار لست مرسلا وما ارسلک الله الینا فاقسم الله بالقرآن المحکم أن محمدا من المرسلین ۔(۷)	کفار کہتے ہیں کہ آپؐ رسول نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف بھیجا، اللہ تعالیٰ نے محکم قرآن کی شہادت پیش کرکے بتایا کہ آپؐ رسولوں میں سے ہیں۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> ''یہ قرآن ہے جو سراسر حکمت سے لبریز ہے، یہ چیز خود شہادت دے رہی ہے کہ جو شخص ایسا حکیمانہ کلام پیش کررہا ہے وہ یقیناً خدا کا رسول ہے، کوئی انسان ایسا کلام تصنیف کرلینے پر قادر نہیں''۔(۸)

اے حبیب! جب تیرا پروردگار تیری رسالت کی شہادت دے رہا ہے اور وہ بھی قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر، اس کے بعد اگر کوئی بدبخت تیری رسالت کو ماننے سے انکار کرے تو آپؐ کو رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔(۹)

سورۃ الرعد میں اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت پیش کی ہے اور ساتھ ہی بتایا ہے کہ جو آسمانی کتابوں کے علم سے بہرہ ور ہیں وہ بھی اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔(الرعد:۴۳)

۳۔ آپؐ نعوذ باللہ مجنون ہیں:

کفار آپ کو مجنون سمجھتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے لیڈروں کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی تھی کہ آپ جس عذاب سے ان کو اس شدومد اور اس جزم ویقین کے ساتھ ڈرا رہے ہیں کہ گویا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، آخر وہ کدھر سے آجائے گا؟ ان کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ آپ کے لہجہ میں جو غیر معمولی جزم ویقین، آپ کے انداز دعوت میں جو مافوق العادت بے چینی و بے قراری اور آپ کی تذکیر میں دلوں کو ہلا دینے والی جو دردمندی و شفقت ہے اس سے ان کے عوام متاثر ہو رہے ہیں (۱۰)، اس اثر کو زائل کرنے کے لیے وہ آپ پر یہ الزام لگاتے، قرآن کریم نے اس اعتراض کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

وَقَالُوا يَاأَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ (الحجر:۶)

وہ کہنے لگے اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا بے شک تو مجنون ہے۔

اس اعتراض کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم:۱-۴)

ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں، آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور یقیناً آپ کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے اور بے شک آپ عظیم الشان اخلاق کے مالک ہیں۔

قرآن ہی ان کے نزدیک وہ سبب تھا جس کی بنا پر انہوں نے آپ پر دیوانگی کی تہمت

لگائی، اس لیے فرمایا گیا کہ قرآن ہی اس تہمت کی تردید کے لیے کافی ثبوت ہے، یہ اعلا درجہ کا فصیح و بلیغ کلام جو بلند پایہ مضامین پر مشتمل ہے، اس کا پیش کرنا تو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت محمدؐ پر اللہ کا خاص فضل ہوا ہے کجا کہ اس امر کی دلیل بنایا جائے کہ آپؐ معاذ اللہ دیوانے ہوگئے ہیں، مدعا کفار سے کہنا ہے کہ تم جس قرآن کی وجہ سے اس کے پیش کرنے والے کو مجنون کہہ رہے ہو وہی تمہارے اس الزام کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔(۱۱)

اسی طرح آپؐ پر جنون کا الزام بھی کفار مکہ محض اپنے دل کی تسلی کے لیے لگاتے تھے جیسے موجودہ زمانے کے بعض بے شرم مغربی مصنفین اسلام کے خلاف اپنے بغض کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے یہ دعوا کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضورؐ پر صرع Epilipcy کے دورے پڑتے تھے اور ان ہی دوروں کی حالت میں جو کچھ آپؐ کی زبان سے نکلتا تھا اسے لوگ وحی سمجھتے تھے، ایسے بیہودہ الزامات کو کسی صاحب عقل آدمی نے نہ اس زمانے میں قابل اعتنا سمجھا تھا نہ آج کوئی شخص قرآن کو پڑھ کر اور رسول اللہؐ کی قیادت و رہنمائی کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ کر یہ باور کرسکتا ہے کہ یہ سب کچھ صرع کے دوروں کا کرشمہ ہے۔(۱۲)

سورۃ الاعراف میں اس اعتراض کے جواب میں قریش کو مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ کہہ کر احساس دلایا کہ یہ رسول ان کے لیے کوئی اجنبی شخص نہیں، ہر دور اور ہر مرحلہ میں انہوں نے آپ کو دیکھا اور جانچا پرکھا ہے، جو شخص پہلے معاشرہ کا بہترین فرد تھا تو اچانک اس پر مجنون کی تہمت کیسے لگادی، نادانو! یہ دیوانہ نہیں بلکہ اپنی قوم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے والا ہے، علاوہ ازیں آپ کی تائید میں آفاق سے بھی شہادت پیش کی اس وسیع عالم کو بنانا اور اس میں حیرت انگیز نظام قائم کرنا فضول نہیں بلکہ اس کا کوئی مقصد ہے اور رسول جو دعوت حق دے رہے ہیں وہ درحقیقت اسی مقصد خلقت کی تکمیل اور انسان کی تربیت و ترقی کے مقصد کی ہی ایک کڑی ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ...... (الاعراف: ۱۸۴-۱۸۵)

سورۃ الذاریات میں آپ کو تسلی دی گئی کہ صرف آپ ہی کو ساحر اور مجنون نہیں کہا گیا، آپ سے پہلے آنے والے رسولوں پر بھی یہ تہمت لگائی گئی ہے، پیغمبروں کے معجزات کا ان کے پاس

کوئی جواب نہیں ہوتا تو الزامات لگانے شروع کر دیتے تھے، اسی طرح یہ قریش ہیں، مزاج کی یکسانیت ان مکذبین کو بھی وہی الزامات آپ پر لگانے کے لیے مجبور کر رہی ہے۔

كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَتَوَا صَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (الذاریات:۵۲-۵۳)

اسی طرح ہے کہ کوئی رسول ان سے پہلے کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ، کیا انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اس کی وصیت کر چھوڑی ہے بلکہ یہ ہیں ہی سرکش لوگ۔

۴- آپؐ بشر ہیں:

انبیائے کرام علیہم السلام کی بشریت پر ہر زمانے کے لوگوں نے اعتراض کیا، تمام جہلاء اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ انبیاء بشر نہیں ہو سکتے، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ (المومنون:۲۴)، حضرت صالحؑ (القمر:۲۴) اور دیگر انبیاء پر ہونے والے اس اعتراض کا قرآن کریم نے ذکر کیا۔

نبی کریمؐ پر اعتراض کرتے ہوئے کفار نے کہا:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (الفرقان:۷)

وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الانبیاء:۳)

(وہ کہتے ہیں) یہ شخص (یعنی نبی کریمؐ) کیا ہے مگر تمہاری مانند ایک بشر۔

قرآن کریم نے نبی رحمتؐ کی ذات اقدس پر کیے جانے والے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء:۷)

آپ سے پہلے ہم نے نہیں رسول بنا کر بھیجا مگر مردوں کو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی پس (اے منکرو) اہل علم سے پوچھ لو اگر تمہیں حقیقت حال کا علم نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا (بنی اسرائیل:۹۵)

اے نبی! ان سے فرمایئے کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان پر فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

اللہ کا رسول جن لوگوں کی طرف بھیجا جائے وہ انہیں کی جنس میں سے ہونا ضروری ہے اگر یہ آدمی ہیں تو رسول بھی آدمی ہونا چاہیے، کیوں کہ غیر جنس کے ساتھ باہم مناسبت نہیں ہوتی اور بے مناسبت کے رشد و ہدایت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اگر آدمیوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیں جو نہ بھوک کو جانتا ہے نہ پیاس کو نہ جنسی خواہشات کو نہ سردی، گرمی کے احساس کو نہ اس کو کبھی محنت سے تکان لاحق ہوتا ہو تو وہ سارے انسانوں سے بھی ایسے ہی عمل کی توقع رکھتا۔(۱۳)

چوں کہ انبیاء کو انسانوں کے لیے نمونہ اور اسوہ بننا ہوتا ہے اس لیے وہ نوع انسانی سے آئے تا کہ انسان اتباع کر سکیں لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے انبیاء کے رب تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق و ربط کو بھی بیان کر دیا تا کہ اتباع کرنے والوں کے یقین و اطمینان میں اضافہ ہو اسی لیے سورہ کہف میں فرمایا:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَیَّ

فرمادیجیے میں تم جیسا بشر ہوں مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

يُوۡحٰۤى اِلَیَّ نے اس امتیازی وصف کو واضح کر دیا جس کی وجہ سے نبی اکرمؐ کی ذات اقدس بشریت کی خصوصی شان کی مالک ہے، مجد الدین فیروز آبادی اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانما يتفاضلون بما يختصون به من المعارف الجليلة والاعمال الجميلة ۔(۱۴)

یعنی معارف جلیلہ اور اعمال جمیلہ آپ کی وجہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر آپ کو فضیلت عطا کی گئی۔

اس اعتراض کے قرآن کریم نے جو جواب دیے ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱-تاریخی شہادت پیش کی گئی کہ انبیائے سابقین جب بشر تھے تو اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی کو بھی بشر ہی ہونا چاہیے تھا، اس تاریخی تسلسل کے شاہد اہل کتاب ہیں۔

۲-عقلی دلیل یہ پیش کی گئی کہ نبی کی اطاعت ہی نہیں اتباع بھی ہے، افادہ واستفادہ کا تعلق اسی وقت ممکن ہے جب جنس ایک ہو چوں کہ زمین کے باسی انسان ہیں اس لیے بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔

۳-اس بشریت کو جو خاص الٰہی حفاظت وصیانت (وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ)، اسی طرح سورۂ طور آیت ۴۸ میں فرمایا فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا بے شک آپ ہماری آنکھوں میں ہیں، علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

ونحن نراک بجمیع عیون الصفات والذات بنعت المحبة والعشق ننظر بھا الیک شوقا الیک وحراسة لک۔

یعنی ہم آپ کو دیکھتے ہیں اپنی ذات اور اپنی صفات کی تمام آنکھوں سے بڑے محبت بھرے انداز سے، ہم شوق سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور آپ کی نگہبانی کرتے ہیں

اور تعلق باللہ او حی الی حاصل ہے اس کا بھی ذکر کر دیا تاکہ مقام نبوت ورسالت کی عظمت آشکارا ہو اور عامۃ الناس اتباع کے لیے آمادہ ہوں چوں کہ جب تک انسان کسی کی شوکت وبلند مرتبہ سے آگاہ نہیں ہوتا اس وقت تک وہ آمادہ اطاعت نہیں ہوتا۔

۵- معاندین کی طرف سے معجزات کا مطالبہ:

منکرین نبوت کی ایک آرزو یہ تھی کہ ہم جب خواہش کریں، معجزات نازل ہوں، تب ہم ایمان لائیں گے، فرمائشی معجزات کی اس طلب کا قرآن کریم نے نہایت مسکت جواب دیا، قرآن کریم کی ایسی آیات جن میں کفار کی ایسی بہانہ تراشیوں اور ان کے جوابات کا ذکر ہے، درج ذیل ہیں:

۱- وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ اَنَابَ

اور کفار کہتے ہیں (کہ اگر یہ سچے نبی ہیں) تو ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی، آپ فرمائیے (نشانیاں تو بہت ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گم راہ کرتا ہے

(الرعد:۲۷) نیز (الرعد:۷)

اور اپنی (بارگاہ قرب) کی طرف رہنمائی فرماتا ہے، جو صدق دل سے رجوع کرتا ہے۔

۲- وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (یونس:۲۰)

اور کہتے ہیں ان کے رب کی طرف کوئی آیت کیوں نہ نازل کی گئی، سو آپ فرمایئے غیب تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

۳- وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (العنکبوت:۵۰-۵۱)

اور انہوں نے کہا ان کے رب کی طرف سے ان پر نشانیاں کیوں نہ اتاری گئیں، آپ فرمایئے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں، کیا یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے۔

۴- اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (آل عمران:۱۸۳-۱۸۴)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ بے شک، ہم سے اللہ نے اقرار لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس قربانی لائے جس کو آگ کھالے، آپ فرمایئے مجھ سے پہلے بھی انبیاء واضح دلائل کے ساتھ اور اس معجزہ کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو، تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا اگر تم سچے ہو، پس اگر یہ (بہانہ تراش) آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو یہ کوئی نئی بات نہیں)، یہ آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلا چکے ہیں، جب کہ وہ پیغمبر

معجزات، صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے۔

۵- وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَکَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّکَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

(بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)

اور کفار نے کہا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ تیار ہوجائے یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ، پھر آپ جاری کردیں ندیاں جو اس باغ میں (ہرطرف) بہہ رہی ہوں یا آپ گرادیں آسمان ٹکڑے ٹکڑے کرکے جیسے آپ کا خیال ہے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بےنقاب کرکے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہوجائے آپ کے لیے سونے کا گھر یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں بلکہ ہم تو اس پر ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں، آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرمادیں میرا رب ہرعیب سے پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔

ان آیات کے حوالہ سے مفسرین کی آرا ملاحظہ فرمائیں:

۱-سورۂ رعد کی آیت ۲۷ کی وضاحت کرتے ہوئے کفار کے طرز عمل پر اس طرح روشنی ڈالی ہے: کفار کا یہی وتیرہ تھا کہ ہر بار نئے معجزہ کی فرمائش کرتے اور اتنی سنجیدگی سے کہ گویا یہ پہلی بار معجزہ کا مطالبہ کررہے ہیں، اس سے پہلے نہ انہوں نے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا اور نہ انہیں کوئی دکھایا گیا۔(۱۵)

مولانا مودودی نے اس آیت میں کفار کو دیے جانے والے اس جواب کی بلاغت کو

واضح کیا ہے، وہ کہتے ہیں: نشانی کے مطالبے کا یہ جواب اپنی بلاغت میں بے نظیر ہے، وہ کہتے تھے کہ کوئی نشانی دکھاؤ تو ہمیں تمہاری صداقت کا یقین آئے، جواب میں کہا گیا کہ نادانو! تمہیں راہ راست نہ ملنے کا اصل سبب نشانیوں کا فقدان نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی ہدایت طلبی کا فقدان ہے، نشانیاں تو ہر طرف بے حدوحساب پھیلی ہوئی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی تمہارے لیے نشان راہ نہیں بنتی، کیوں کہ تم خدا کے رستے پر جانے کے خواہش مند ہی نہیں ہو، اب اگر کوئی اور نشانی آئے تو وہ تمہارے لیے کیسے مفید ہو سکتی ہے؟ تم شکایت کرتے ہو کہ کوئی نشانی نہیں دکھائی گئی مگر جو خدا کی راہ کے طالب ہیں انہیں نشانیاں نظر آرہی ہیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر راہ راست پارہے ہیں۔(۱۶)

تم اس قابل ہی نہیں کہ گل رعنا تمہاری دستار کی زینت بنایا جائے۔(۱۷)

۲-سورہ یونس کی آیت ۲۰ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں، اصل بات یہ تھی کہ نشانی کا یہ مطالبہ محض ایمان نہ لانے کے لیے ایک بہانے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا جو کچھ بھی ان کو دکھایا جاتا اس کے بعد وہ یہی کہتے کہ کوئی نشانی تو ہم کو دکھائی نہیں گئی، اس لیے کہ وہ ایمان لانا چاہتے نہ تھے۔(۱۸)

آیت کے آخر میں انہیں دھمکی کے انداز میں کہا گیا ہے، اب جب کہ تم ہٹ دھرمی سے دست بردار نہیں ہوتے تو انتظار میں رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں، تم خدائی سزا کے انتظار میں رہو اور میں بھی کامیابی کا منتظر ہوں یا یہ کہ تم اس قسم کے معجزہ کے انتظار میں رہو اور میں بھی تم جیسے ہٹ دھرم لوگوں کی سزا کے انتظار میں ہوں۔(۱۹)

فرمائشی معجزات کے ظاہر نہ کرنے کی حکمت قرآن کریم میں کئی جگہ بتلا دی گئی ہے کہ ان کے ظہور کے بعد عادۃ اللہ یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائیں تو ساری قوم ہلاک کردی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس امت کے لیے ایسا عذاب عام منظور نہیں بلکہ اس کو تا قیامت باقی رکھنا مقدر ہو چکا تھا۔(۲۰)

۳-سورۃ العنکبوت کی آیت ۵۰ میں قرآن کریم نے ہٹ دھرم اور بہانہ ساز لوگوں کو دو طرح سے جواب دیا ہے:

اول! یہ کہ اے رسول ان سے کہہ دو کہ معجزہ میرا کام نہیں جو تمہاری خواہش کے مطابق صادر ہوتا رہے بلکہ تمام معجزات خدا کے اختیار میں ہیں، خدا ہی اس مصلحت کو بہتر جانتا ہے کہ کس قوم کے لیے، کس وقت اور کون سا معجزہ مناسب ہے وہی جانتا ہے کہ کون لوگ جویائے حق اور ذوق تحقیق رکھتے ہیں تو وہ معجزہ بھی ان ہی کو دکھاتا ہے، نیز وہ جانتا ہے کہ کون سے لوگ بہانہ ساز اور اپنی خواہشات نفس کے غلام ہیں اور ان سے کہہ دو کہ میں تو فقط ڈرانے والا اور خبر دار کرنے والا ہوں، میرا فرض تو صرف ڈرانا، تبلیغ کرنا اور تمہیں کلام خدا سنانا ہے، رہا معجزات اور خوارق عادات کا دکھانا سو یہ خدا کے اختیار میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا ان کے لیے یہی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب آسمانی نازل کی ہے جو ہمیشہ انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، یہ لوگ مادی معجزات کا تقاضا کرتے ہیں، دراں حالیکہ قرآن کریم بہترین روحانی معجزہ ہے، اگر وہ واقعتاً معجزے کے طلب گار ہیں تو ہم نے قرآن کریم نازل کر کے ان کے مطالبے سے بھی بڑا معجزہ ان کے سامنے پیش کر دیا ہے مگر وہ لوگ حق طلب نہیں بلکہ بہانہ ساز ہیں۔(۲۱)

اس آیت میں جواب دینے کے اسلوب پر مولانا امین احسن اصلاحی نے یہ تبصرہ کیا ہے، جواب کا انداز نہایت بے پروائی کا ہے یہاں تک کہ ان کو مخاطب کرنا بھی پسند نہیں فرمایا بلکہ پیغمبر کو خطاب کر کے آپ کے واسطہ سے ان کو بات پہنچا دی ہے۔(۲۲)

۴-سورہ آل عمران میں یہودیوں کے مطالبات اور ان کے قرآنی جواب کی وضاحت کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں، یہود نے جو فن حیلہ سازی کے امام تھے، حضورؐ پر ایمان نہ لانے کا ایک اور عذر تراشا، کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو نبی نہیں مان سکتے کیوں کہ ہمارے رب نے ہم سے یہ پختہ وعدہ لیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو نبی نہ ماننا جو تمہیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور آسمانی آگ اسے جلا کر راکھ کر دے اور آپ نے تو یہ معجزہ دکھایا نہیں، اس لیے ہم آپ کی رسالت تسلیم کرنے سے معذور ہیں، قرآن نے ان کے اس عذر کو بھی باطل کر دیا، تمہاری مقدس کتابوں میں یہ تو ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا کہ ان کی دعا سے آسمان سے آگ اتری اور ان کی قربانی کو جلا گئی لیکن یہ تصریح نام کو بھی نہیں کہ جو نبی یہ معجزہ نہ دکھائے، اس پر ایمان نہ لانا،

اگر چہ اس کی صداقت کی اور واضح دلیلیں موجود ہوں اور اگر ایک لمحے کے لیے یہ فرض بھی کر لیا جائے تو تم نے اس کا پہلے کب پاس رکھا، وہ انبیاء جن سے یہ معجزہ ظاہر ہوا ان کے ساتھ بھی تم نے کفر کیا اور صرف زبانی کفر پر ہی بس نہیں کی بلکہ ان کو قتل تک کر دیا، جن کا دامن معصوم انبیاء کے پاک خون سے داغ دار ہے، انہیں ایسی بے سر و پا باتیں کہتے ہوئے حیا نہیں آتی۔ (۲۳)

مولا تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دے رہا ہے کہ منکرین حق کا یہ پرانا شیوہ ہے کہ انہوں نے ہر اس نبی کو جھٹلایا جو اپنی سچائی کی روشن اور نا قابل تردید دلیلیں لے کر آیا۔ (۲۴)

۵- معترضین کی اس دماغی کیفیت کو محمد اسد نے Psycholojically contradictory attitude of mind قرار دیا۔ (۲۵)

سورہ بنی اسرائیل میں بہانہ جو لوگوں کے چھ تقاضے بیان ہوئے ہیں، نبی کریمؐ نے ان کے دو منطقی واضح اور مختصر جوابات دیے۔

پہلا یہ کہ میرا پروردگار ان امور سے منزہ ہے، وہ اس سے منزہ ہے کہ کبھی اس کا حکم مانے اور کبھی اس کا، وہ فضول، مہمل اور بے بنیاد تقاضوں کے سامنے سر جھکانے سے منزہ ہے (۲۶)، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں کہ جو تمہارا مطالبہ ہو اسے پورا کر دیا جائے لیکن اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ (۲۷)

دوسرا یہ کہ اس سے قطع نظر اصولی طور پر معجزات بھیجنا اس کا کام ہے اور معجزات اسی کے ارادے اور فرمان کے تحت انجام پاتے ہیں، میں تو یہاں تک بھی حق نہیں رکھتا کہ خود ان کا تقاضا ہی کروں، وہ جس وقت ضروری سمجھے گا اپنے رسول کی صداقت کے لیے جو معجزہ ضروری ہوگا بھیج دے گا۔ (۲۸)

یعنی بے وقوفو! کیا میں نے خدا ہونے کا دعوا کیا تھا کہ تم یہ مطالبہ مجھ سے کرنے لگے، میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں قادر مطلق ہوں؟ میں نے کب کہا کہ زمین و آسمان پر میری حکومت چل رہی ہے؟ میرا دعوا تو اول روز سے یہی ہے کہ میں خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ایک انسان ہوں، تمہیں جانچنا ہے تو میرے پیغام کو جانچو، ایمان لانا ہے تو اس پیغام کی صداقت و معقولیت دیکھ کر ایمان لاؤ، انکار کرنا ہے تو اس پیغام میں کوئی نقص نکال کر دکھاؤ، میری صداقت کا اطمینان

کرنا ہے تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے میری زندگی کو، میرے اخلاق کو، میرے کام کو دیکھو ، یہ سب کچھ چھوڑ کر تم مجھ سے یہ مطالبہ کرنے لگے کہ زمین پھاڑ و اور آسمان گراؤ؟ آخر پیغمبری کا ان کاموں سے کیا تعلق؟۔(۲۹)

۶- رب آپؐ سے ناراض ہے اور آپؐ کو چھوڑ دیا ہے:

سورۃ الضحیٰ کی شان نزول کی ایک روایت کے مطابق، حضور نبی کریمؐ علالت طبع کے باعث دو تین روز سحری کے وقت بیدار ہو کر مصروف عبادت نہ ہوئے تو ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا مکان حضورؐ کے مکان کے پڑوس میں تھا، وہ آئی اور کہنے لگی:

ما اری شیطانک الا قد ترکت	میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تمہیں
لم اره قربک منذ لیلتین	چھوڑ دیا ہے، دو تین رات سے میں نے اس
او ثلاث۔	کو تمہارے نزدیک آتے ہوئے نہیں دیکھا؟

اس گستاخی کے جواب میں یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان خرافات کی تردید قسم کھا کر کی اور اپنے محبوب کریمؐ کو بھی تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی میں گوناگوں حکمتیں ہیں، اسی طرح نزول وحی اور پھر اس کے بعد انقطاع میں بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔(۳۰)

سید قطب شہید ان اوقات کی قسم میں حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کائنات میں ہمیشہ ایک ہی حالت اور ایک جیسا وقت نہیں رہتا، کبھی دن کی روشنی ہے اور کبھی رات کی ظلمت، اسی طرح کبھی وحی کا نزول ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا، رات کے آنے سے اگر یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے ناراض ہو گیا ہے، اسی طرح عارضی طور پر وحی کی بندش سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رخصت کر دیا ہے یا وہ آپ سے ناراض ہے، اس مضمون کے اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو بڑے صاف اور شفاف وقتوں کا انتخاب فرمایا ہے، روشنی کے لحاظ سے چاشت کا وقت اور تاریکی کے لحاظ سے رات کا وقت، مطلب یہ کہ تیرا پروردگار نہ دن کو تجھ سے ناراض ہے، نہ رات کو، زمانے کی حرکت میں یہ دونوں فطری اوقات ہیں، اسی طرح نزول وحی اور کبھی عدم نزول ہر دو کا وجود فطری ہے۔(۳۱)

حقیقت حال کی وضاحت کے بعد آپؐ کو تسلی اور بشارت دی جارہی ہے کہ آپؐ کا مستقبل ماضی اور حال سے بہت بہتر ہے، قدیم صحیفوں میں بھی آنحضرتؐ سے متعلق جو پیش گوئیاں وارد ہیں ان میں آپؐ کی دعوت کے آغاز کو رائی کے دانے کی تمثیل سے سمجھایا ہے جو ہوتا تو نہایت چھوٹا ہے لیکن جب اگتا ہے تو اس کا پودا سب پودوں سے بڑا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ پرندے اس میں بسیرا کر لیتے ہیں۔(۳۲)

اسی طرح آپؐ کو یہ بشارت دی گئی:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (الضحیٰ:۵)	اور عن قریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

علامہ آلوسی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا میں سرفرازی فرمایا، یعنی کمال نفس، اولین و آخرین کے علوم، اسلام کا غلبہ، دین کی سربلندی، ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت میں ہوئیں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حاصل کیں اور اسلام کا دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جانا نیز یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائیوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرمؐ کے لیے آخرت میں محفوظ رکھی ہیں، جن کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔(آلوسی، سید محمود،..........)

اس اعتراض کے جواب کا خلاصہ یہ ہے:

۱) مظاہر فطرت میں سے تاریک رات اور روشن دن کو بہ طور دلیل پیش کر کے وحی کے نزول اور اس کی عارضی بندش کی حکمت بیان فرمائی۔

۲) رب کریم نے اپنے محبوب کو تسلی دی۔

۳) ان انعامات و برکات کا تذکرہ فرمایا جو مستقبل میں آپ پر ہونے والے ہیں۔

۷- آپ شاعر ہیں:

منکرین کے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپؐ شاعر ہیں، سورۃ الانبیاء میں ان کے اس اعتراض کو یوں بیان کیا ہے: بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۔(الانبیاء:۵)

قرآن کریم نے کہا کہ نبی ذیشان نے علوم ومعارف کا اکتساب تو پروردگار عالم سے کیا ہے اور اس علیم وخبیر نے آپ کو شاعری نہیں سکھائی کیوں کہ یہ مقام نبوت کے شایان شان نہیں:

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْبَغِيْ لَهٗ (یٰسین:۶۹)　　اور ہم نے اپنے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے۔

سورۃ الشعراء میں اس اعتراض کا نہایت ہی منطقی جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (الشعراء:۲۲۴-۲۲۶)　　شاعر تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں، کیا دیکھتے نہیں ہو وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔

ان آیات کی تفسیر پیر محمد کرم شاہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

کفار کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپؐ شاعر ہیں، اس لیے ان کو نبی ماننا کسی طرح روا نہیں، ان آیات میں اس الزام کا ابطال کیا جارہا ہے، فرمایا کہ شاعروں کے پیروکار تو گم راہ اور عیاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں، نیز شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کو کسی ایک مقصد کے حصول کے لیے وقف نہیں کیا کرتے بلکہ ہر گلی کوچہ میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، جہاں سے انعام کی توقع ہوئی اس کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے، جس سے برہم ہوئے اس کی مذمت کر ڈالی، کبھی شراب کے گن گارہے ہوتے ہیں اور کبھی قمار بازی کی ستائش ہو رہی ہوتی ہے کبھی حسن کی عریانیوں اور عشق کی بدمستیوں کی منظر کشی کر رہے ہوتے ہیں، پھر ان شعراء کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ ان کے قول و فعل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے، کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں، اے میرے محبوب پر شاعر ہونے کا بہتان لگانے والو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس دامن کرم کو تھامنے والے کس قماش کے لوگ ہیں، اسلام لانے سے پہلے ان کی کیا حالت تھی اور اب ان کا کیا حال ہے، کیا اس قسم کے فرشتہ سیرت اور سراپا خیر و تقویٰ لوگ کسی شاعر کے پیروکار ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کلام پاک کی یک رنگی اور مقصدیت پر نظر ڈالو، اللہ کی توحید اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمال قبیحہ سے دور رہنے کی تلقین کے بغیر اس میں کسی اور چیز کی تم نشان دہی کر سکتے ہو؟ پھر یہ بتاؤ کہ کیا اس

رسول مکرمؐ کے قول وفعل میں تمہیں کوئی تفاوت نظر آتا ہے؟ بلکہ یہ جو فرماتا ہے پہلے خود کر کے دکھاتا ہے پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے، کیا یہ صفات کسی شاعر میں پائی جاتی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تم انصاف سے کہو کہ تمہارا یہ الزام کیا سراسر لغو اور بے ہودہ نہیں؟

اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا:

۱) درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، نبی کریمؐ کی فکر کے مظہر صحابہ ہیں۔

۲) شاعروں کا کوئی معین مقصد نہیں ہوتا لیکن حیات محمدی کا ہر لمحہ نصب العین کے لیے وقف تھا۔

۳) شاعر صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں لیکن آپ اپنے پیغام کی عملی تصویر ہیں۔

۸- نبی نعوذ باللہ کانوں کے کچے ہیں:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (التوبہ:۶۱)

اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بد زبانی سے) اذیت دیتے ہیں، نبی کریمؐ کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے، فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں تمہارا بھلا ہے، یقین رکھتا ہے اللہ پر اور مومنوں (کی بات) پر اور ایمان والوں کے لیے سراپا رحمت ہے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

جوہری (امام لغت) کہتے ہیں جو شخص ہر ایک کی بات سن لے اسے رجل اذن کہتے ہیں اور ابن عباس فرماتے ہیں جو ہر ایک کی بات سنے بھی اور اسے مان بھی لے اسے رجل اذن کہا جاتا ہے، منافقین کا یہ شیوہ تھا کہ اپنی نجی محفلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی جناب پاک میں جو جی میں آتا، بک دیتے اگر کوئی انہیں کہتا کہ تمہاری باتوں کا علم اگر حضور علیہ السلام کو ہو گیا تو بڑی فضیحت ہوگی تو وہ نابکار کہتے، اجی اس کی فکر نہ کرو وہ کانوں کے بڑے کچے ہیں، اگر کسی نے کوئی بات ان سے کہہ بھی دی تو کیا ہوگا ہم جا کر حلفیہ بیان دے دیں گے کہ ہم نے یہ بات ہرگز

نہیں کہی تو وہ فوراً ہماری بات مان جائیں گے۔ (۳۳)

قرآن کریم نے منافقین کی اس غلط فہمی کا جواب اس طرح ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمہاری معذرت کو قبول کرتے ہیں تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے، یہ تقدس مآب ذات تو تمہارے احساس و جذبات کو مجروح ہونے سے بچا رہی ہے، اس علاقہ کی وحدت آپ کے اسی طرز عمل سے قائم ہے، تمہاری منافقت کا بھرم کھل گیا تو پھر کون سی زمین ہوگی جو تمہیں جگہ دے گی، یہ تو کریم النفسی، بلند اخلاق اور اعلا قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ ہے کہ حقیقت حال کا علم ہونے کے باوجود تمہارے منہ پر تمہاری تردید نہیں کرتے۔

اس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ پہلے مرحلے میں ہمیں اس دور کے منافقین، معاندین اور مخالفین کی لاف زنی کو صبر و تحمل سے سن کر دوسرے مرحلے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق عمل کرنا ہے، مخلص اہل ایمان کے طرز عمل کو ہی اپنانا ہے، ہر جگہ بالخصوص علمی مباحث میں جذباتی طرز عمل نقصان کا باعث بنتا ہے۔

۹- قرآن کریم کسی رئیس پر نازل کیوں نہ ہوا؟

حضور سرور کونینؐ کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود اور قرآن کریم کی پر اثر آیات کو سننے کے بعد جب اور کچھ نہ سوجھتا تو دشمنان رسول پر اعتراض کر دیتے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ — اور کہنے لگے کیوں نہ قرآن دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر اتارا گیا۔

(الزخرف: ۳۱)

محمد اسد کفار کے اس فکری مغالطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Makkah and taif-implying that if it were really a divine revelation it would have been bestowed a person of "great standing" and not on Mohammad, who had neither wealth nor a position of eminence in his native city.(۳۴)

قرآن کریم نے اس اعتراض کے جواب کے ساتھ ہی ایک اہم معاشی نقطہ بھی بیان کر دیا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَّرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (الزخرف:۳۲)	کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹا کرتے ہیں؟ ہم نے اس دنیوی زندگی میں سامان زیست کو خود تقسیم کیا ہے اور ہم نے بعض کو بعض سے مراتب میں بلند کیا ہے تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور آپ کے رب کی رحمت بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس آیت میں منکرین کو دنداں شکن جواب دیا ہے، نبوت رحمت الٰہی ہے اس کا صحیح علم یہ کہ کس کو عطا کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام:۱۲۴)	خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کو عطا کرنی ہے۔

نبوت کی تقسیم تو ایک اعلادرجہ کی چیز ہے، سامان زیست کی تقسیم بھی تمہارے سپرد نہیں کی گئی، اگر یہ کام تمہارے ذمہ ہوتا تو اغنیا کی دولت میں تفاوت کیوں ہوتا؟ جب دنیوی مال و دولت کی تقسیم تمہارے بس کا روگ نہیں تو نبوت کی تقسیم کیسے کر سکتے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں، یہ کس عظیم ہستی کو سزاوار ہے، کفار یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ ایک روحانی رتبہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ نفس فضائل اور قدسی کمالات کی جلوہ گاہ ہو اور اس میں ذاتی اور صفاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی کامل استعداد ہو، دنیاوی زیب و زینت اور ساز و سامان کی یہاں کوئی اہمیت نہیں۔ (۳۵)

اس آیت میں ''ربک'' دو مرتبہ آیا ہے جو پروردگار عالم کے خاص لطف و کرم کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے، جس سے اس نے اپنے رسولؐ کو سرفراز فرمایا ہے، یہ آیات بھی اسی جواب کے سلسلہ میں ہیں:

وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ	اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم رحمٰن کا انکار کرنے والوں کے مکانوں کی چھتیں اور سیڑھیاں جن پر وہ

وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (الزخرف: ۳۳-۳۵)	چڑھتے ہیں اور گھروں کے دروازے چاندی کے بنا دیتے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں، وہ بھی سونے اور چاندی کا بنا دیتے اور یہ سب چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت آپ کے رب کے نزدیک پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

کفار کے اعتراض کے ضمن میں ان آیات میں جو جواب دیا گیا ہے اس کی وضاحت مفتی محمد شفیع نے ان الفاظ میں کی ہے:

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مال دار کو نبی کیوں نہ بنایا گیا، ان آیات میں اس کا دوسرا جواب دیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک نبوت کے لیے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال و دولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوت نہیں دی جاسکتی کیوں کہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة ماء ۔	یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے، البتہ نبوت کے لیے کچھ اعلا درجہ کے اوصاف ضروری ہیں، وہ سرکار دو عالمؐ میں بہ درجہ اتم پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ اعتراض بالکل لغو اور باطل ہے۔ (۳۶)

۹- آپ نعوذ باللہ ابتر ہیں:

کفار کہتے تھے کہ محمدؐ ساری قوم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی حیثیت ایک بے کس اور بے یار و مدد گار انسان کی سی ہوگئی ہے، عکرمہ کی روایت ہے کہ جب حضور نبی بنائے گئے اور آپ

نے قریش کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو قریش کے لوگ کہنے لگے بتر محمد منا یعنی محمد اپنی قوم سے کٹ کر ایسے ہو گئے ہیں جیسے کوئی درخت اپنی جڑ سے کٹ گیا ہو اور توقع یہی ہو کہ کچھ مدت بعد وہ سوکھ کر پیوند خاک ہو جائے گا، محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مکہ کے سردار عاص بن وائل سہمی کے سامنے جب رسول اللہؐ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا اجی چھوڑو انہیں، وہ تو ایک ابتر آدمی ہیں، ان کی کوئی اولاد نرینہ نہیں، مر جائیں گے تو کوئی نام لیوا بھی نہ ہوگا۔(۳۷)

کفار کے ان اعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل فرمائی:

اِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ	بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی، پس آپ
لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ	اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں،
هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر)	بے شک آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام ہے۔

اس سورہ مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا حنیف ندوی لکھتے ہیں، عین اس وقت جب رسول اللہؐ کو ناکامی اور نامرادی کے طعنے دیے جارہے تھے اور اپنی کامرانیوں پر مسرت کا اظہار کیا جارہا تھا، عین اس وقت جب کہ مکہ کی سرزمین بھی آپؐ کے عقیدت مندوں کے لیے باوجود وسعت کے تنگ ہو رہی تھی اور کفار کے ارادے یہ تھے کہ اس شمع ہدایت و عرفان کو یک قلم بجھا دیا جائے، یہ بشارت نازل ہوئی کہ آپ کے رتبہ و درجہ میں اضافہ ہوگا، آپ کے اعوان و انصار بڑھیں گے اور آپ کے فتوحات مادی و روحانی کا دائرہ وسیع ہوگا، اس لیے آپ گھبرائیں نہیں اور برابر صبر و سکون کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کریں اور اس کے لیے قربانی کرنے میں مصروف رہیں، آپ کے دشمن سب کے سب رسوا ہوں گے، ذلیل ہوں گے اور بے نام ونشان ہو جائیں گے، دیکھ لیجیے کہ آج محمدؐ کا نام زندہ ہے جس کی انتہائی مخالفت کی جاتی تھی اور ان لوگوں کا وجود نہیں جو مخالف تھے۔(۳۸)

کروڑوں مسلمانوں کو آپ سے نسبت پر فخر ہے لاکھوں انسان آپ ہی سے نہیں بلکہ آپ کے خاندانوں اور آپ کے ساتھیوں کے خاندانوں تک سے انتساب کو باعث عز و شرف سمجھتے ہیں، کوئی سید ہے، کوئی علوی ہے، کوئی عباسی ہے، کوئی ہاشمی ہے، کوئی صدیقی ہے، کوئی فاروقی ہے، کوئی عثمانی، کوئی زبیری اور کوئی انصاری مگر نام کو بھی کوئی ابوجہلی یا ابولہبی نہیں پایا جاتا،

تاریخ نے ثابت کردیا کہ ابتر حضورؐ نہیں بلکہ آپ کے دشمن ہی تھے۔(۳۹)

آج غیروں کی عیاریوں اور اپنوں کی غیر دانش مندی کی بنا پر مسلمان تاریخ اسلام کے نازک ترین موڑ پر کھڑے ہیں، اسلام پر ہر طرف سے یلغار ہے، اسلام دشمن عناصر کی سرگرمیوں کا مرکز ذات رسول کریم اور آپ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہے، اس دور میں ہونے والے اعتراضات کے جو جوابات قرآن نے دیے ان کی روشنی میں ہمیں طے کرنا ہے کہ عہد حاضر کے مستشرقین کو ہم ان کے علمی قد سے بے نیاز ہوکر، ان کی مغالطہ آفرینیوں کا کسی طرح جواب دے سکتے ہیں، اس سلسلہ میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں۔

۱-سب سے پہلے یہ کھوج لگانا ہے کہ اعتراض کی بنیاد حسد و بغض ہے یا معروضی علم و تحقیق، اکثر نے تحقیق کے نام پر نبی کریمؐ کے خلاف عناد کا مظاہرہ کیا ہے، محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے، مسیحا کلیسا اور مستشرقین کے ان مطاعن کی تحقیق جو انہوں نے از روئے حسد اسلام اور آنحضرتؐ پر چسپاں کیے۔(۴۰)

ان کے اس طرز عمل کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں ''مستشرقین کے ایک بڑے طبقے کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی شریعت مسلمانوں کی تاریخ اور تہذیب و تمدن میں کم زوریوں اور غلطیوں کی تلاش و جستجو میں وقت صرف کریں اور سیاسی و مذہبی اغراض کی خاطر رائی کا پربت بنائیں، اس سلسلہ میں ان کا رول بالکل اس شخص کی طرح رہا ہے جس کو ایک منظم و خوش نما و خوش منظر شہر میں صرف سیور لائنز، نالیاں، گندگی اور گھورے نظر آئیں، جس طرح محکمہ صفائی کے انچارج Drain Inspector کا کسی کارپوریشن اور میونسپلٹی میں فریضۂ منصبی ہوتا ہے کہ اس طرح کی رپورٹ پیش کرے، وہ متعلقہ ڈیپارٹمنٹ کو جو رپورٹ پیش کرتا ہے اس میں طبعی طور پر قارئین کو سوائے گندگیوں اور کوڑے کرکٹ کے تذکرہ کے عام طور پر کچھ نہیں ملتا، افسوس کی بات ہے کہ ہم بہت سے مستشرقین کو یہی کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔(۴۱)

اسی بغض اور حسد کا نتیجہ ہے کہ اہل مغرب کے کسی مصنف نے اگر نبی کریمؐ کی عظمت و کردار کی تعریف کی تو قرآن کریم کے بارہ میں کوئی غلط فہمی پیدا کردی، کسی نے قرآن کریم کی رفعت شان کا تذکرہ کیا تو احادیث قابل طعن ٹھہریں، ۱۸۴۱ء میں کارلائل نے حضرت محمدؐ کی

تصانیف کے مطالعہ کے دوران ان کے حسد کے عنصر کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔(۴۴)

۲-قرآن نے جوابات دینے کے لیے مختلف مقامات پر عقلی دلائل سے بھی کام لیا ہے، علاوہ ازیں اپنے ماننے والوں کو بار بار دعوت غور و فکر دی ہے، اس اسلوب کی روشنی میں ہمیں مستشرقین کے مغالطوں کو خالصتاً علمی انداز میں عقلی دلائل سے دیکھنا ہوگا، جذباتی انداز سے گریز کرتے ہوئے انہیں کے قائم کردہ تحقیق کے اصولوں کی روشنی میں ان کے افکار پر سخت گرفت کی جائے۔

دور حاضر میں عالم اسلام کا المیہ ہے کہ مغرب نے اسلام کو صرف مسلمانوں سے سمجھنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں امت کو نت نئے الزام کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، یہ امت شہداء علی الناس تھی جس طرح نبی رحمت کی کتاب حیات کا ہر ورق دین اسلام کی حقانیت و صداقت کی گواہی دیتا ہے اور قرآن نے اعلان نبوت سے قبل کے ماہ و سال کو اعلان نبوت کے بعد بہ طور گواہی پیش کیا ہے، اسی طرح ہمیں بھی اپنے کردار، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے رویوں سے دین کے برحق ہونے کی گواہی دینا ہوگی، آج بھی دین اسلام کو اپنی برتری اور افادیت ثابت کرنے کے لیے ایسے ہی گواہوں کی ضرورت ہے جو اپنے عمل سے، اپنے خالق سے، اپنی روحانی بلندی سے اور وسعت علم سے اس کے برحق ہونے کی ایسی شہادت دینے کی اہلیت رکھتے ہوں کہ کوئی انہیں جھٹلا نہ سکے۔(۴۵)

ہمارے اس طرز فکر کا کیا نقصان ہوا، اس کا اندازہ سوامی لکشمن پرشاد کے ان جملوں سے لگائیے "جب میں مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوں تو میری رفتار خود بہ خود سست پڑ جاتی ہے گویا کوئی میرا دامن پکڑ رہا ہو، میرے قدم وہیں رک جانا چاہتے ہیں گویا میری روح کے لیے تسکین کا سامان موجود ہو، مجھ پر ایک بے خودی سی طاری ہونے لگتی ہے گویا مسجد کے اندر سے کوئی میری روح کو پیام مستی دے رہا ہو، جب مؤذن کی زبان سے اللّٰہ اکبر کا نعرہ سنتا ہوں تو میرے دل کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا بپا ہو جاتا ہے لیکن جب مسجد سے چند قدم آگے بڑھ جاتا ہوں تو پھر میری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کا نقشہ آتا ہے، رنگ کس قدر پھیکا، خطوط کس قدر غیر متناسب، حدود کس قدر غلط، برتن کس قدر تنگ"۔(۴۶)

۳-ہمیں تمام مستشرقین کے اعتراضات کی ایک جامع فہرست بنانا ہوگی جو ان کے

اعتراضات کے باہمی تضادات کو واضح کرے گی کیوں کہ جاہلیت کا مزاج اور رویہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، اس لیے آج کے منکرین بھی کسی ایک اعتراض پر متفق نہیں ہوتے، سید قطب کی اس عبارت کو ملاحظہ کیا جائے تاکہ معترضین کے اعتراضات کی لغویت سامنے آسکے، روسی مادہ پرستوں نے ۱۹۵۴ء میں قرآن پر اعتراض کرنے کی غرض سے مستشرقین کا ایک سمینار منعقد کیا تو انہوں نے کہا'' یہ کتاب ایک انسان محمدؐ کے دماغ کا نتیجہ نہیں ہوسکتی بلکہ یہ ایک بڑی جماعت کی کوشش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، یہاں تک کہ یہ یقین بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ساری کی ساری جزیرۃ العرب میں لکھی گئی ہے بلکہ یقینی طور پر اس کے کچھ حصے جزیرۃ العرب سے باہر لکھے گئے ہیں''۔(۴۷)

یہی وہ ذہنی کرب ہے جس میں مستشرقین مبتلا ہیں، یعنی اعتراض بنے نہ بنے مستشرقین متعصب ہوں یا منصف ولید بن مغیرہ اور اس کے ہم نواؤں کی طرح اسلام دشمنی کا اظہار لازمی ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان کے علم سے مرعوب ہونے کی بجائے اعتراضات کے داخلی تضادات کو سامنے لاکر حقیقت حال کو واضح کیا جائے۔

۴-ناقابل اعتماد روایات کے فتنہ نے امت کو ہر میدان میں نقصان پہنچایا ہے، مستشرقین کا حقیقی سرمایہ، اکثر و بیشتر ایسی ہی روایات ہیں، تزکیہ علم کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ایسی ساری روایات کی صحیح پوزیشن کو واضح کیا جائے۔

۵-اسلام کے لٹریچر کا عمیق نظری سے بالاستیعاب مطالعہ بھی بہت ضروری ہے کیوں کہ علما نے اپنے اپنے زمانے کے اسلوب بیان میں تمام مغالطوں کی قلعی کھول دی ہے، ان ہی کو مستشرقین رمتغربین آج نئے رنگ و ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں، اس کی بہترین مثال امام رازی کی'' مفاتیح الغیب'' ہے، بہ قول صاحب ضیاء النبی'' مستشرقین جس علمی سرمایے میں اسلام پر اعتراض کرنے کی بنیادیں تلاش کرتے ہیں اس علمی سرمایے میں ان کے اعتراضات کے مسکت اور منہ توڑ جواب موجود ہیں، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنی علمی دولت کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے کام لے کر مستشرقین کے اعتراضات بلکہ الزامات کا منہ توڑ جواب دیں۔(۴۸)

۶-مستشرقین نے جن اصول وضوابط پر قرآن اور حدیث کو پرکھا ہے، ان ہی اصولوں پر ان مستشرقین کے مذہبی لٹریچر کو پرکھ کر حقائق و نتائج ان کے سامنے رکھے جائیں۔

قرآنی جوابات سے ایک اہم فکری اصول بھی حاصل ہوتا ہے کہ جب ہمیں اس بات کا یقین کامل ہے کہ دنیا کے کسی بھی کڑے سے کڑے، ضابطہ اور اصول کو اپنا کر دیکھ لیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ حق وہی ہے جو نبی خاتم النبیین کی نسبت سے ہم تک پہنچا تو پھر معذرت خواہانہ اور غلامانہ ذہنیت کا رویہ اپنانے کی بجائے علم و دانش، حکمت و دانائی، عقل و فکر اور جدید ذرائع کے استعمال، جہد مسلسل، مادی ترقی اور اعتقاد و یقین کی مکمل آہنگی سے ان الزامات کا جواب دیا جائے۔

حوالہ جات

(۱) الانعام: ۱۱۲-۱۱۳، الفرقان: ۳۱۔ (۲) فخر الدین رازی، ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین (م ۶۰۶ھ)، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جزء ثانی، ص ۹۰۔ (۳) ان معلومات کے لیے ملاحظہ فرمایئے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۲۰۰۲ء تکملہ ج ۱ ص ۵۶۷، ۵۷۲، ۵۷۳۔ علاوہ ازیں استشراقی تحریک کے آغاز و ارتقا، مقاصد و اہداف کے لیے ضیاء النبی کی چھٹی اور ساتویں جلد ملاحظہ فرمائیں۔ (۴) ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۶۵۲ و ۶۵۳۔ (۵) تدبر قرآن، ج ۷، ص ۳۲۔ (۶) تفسیر نمونہ، ج ۱۳، ص ۵۷۔ (۷) القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ)، الجامع لاحکام القرآن، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء، ج ۱۵، ص ۵۔ (۸) تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۲۴۵۔ (۹) ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۱۶۷۔ (۱۰) تدبر قرآن، ج ۷، ص ۵۱۴۔ (۱۱) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۵۸۔ (۱۲) ایضاً، ج ۵، ص ۱۷۳۔ (۱۳) محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۸۹ء، ج ۵، ص ۵۲۱۔ (۱۴) الفیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب (م ۸۱۷ھ)، بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز، المکتبۃ العلمیۃ بیروت، ج ۲، ص ۲۰۴۔ (۱۵) ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۴۸۹۔ (۱۶) مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۲ء، ج ۲، ص ۴۵۹۔ (۱۷) ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۴۸۹۔ (۱۸) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۲۷۷۔ (۱۹) مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، مترجم سید صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور، ۱۴۱۷ھ، ج ۵، ص ۶۳۔ (۲۰) معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۲۱ و ۵۲۲۔ (۲۱) تفسیر نمونہ، ج ۹، ص ۲۶۱۔ (۲۲) اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۷ء، ج ۵، ص ۵۶۔ (۲۳) ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۰۳۔ (۲۴) نفس مصدر (مزید تفصیلات کے لیے) تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۳۰۷-۳۰۹ ملاحظہ فرمائیں۔ (۲۵) Muhammad Asad, The Message of the Qur'an, Dar Al-Andalus Gibraltar 1980, page:433۔ (۲۶) تفسیر نمونہ، ج ۶، ص ۷۹۸۔ (۲۷) ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۵۵۲۔ (۲۸) تفسیر نمونہ، ج ۶، ص ۷۸۹۔ (۲۹) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۴۳ و ۶۴۴۔ (۳۰) محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۰۰ھ، ج ۵، ص ۵۸۵۔ (۳۱) قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن (اردو ترجمہ)، ج ۱۰، ص ۵۹۱۔ (۳۲) اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء

ج ۸، ص ۴۱۴۔ (۳۳) ضیاء القرآن، ج ۲، ۲۲۵۔ (۳۴) Muhammad Asad, The Message of the Qur'an, Dar Al-Andalus Gibraltar 1980, page:753۔ (۳۵) تفسیر مظہری۔ (۳۶) معارف القرآن، ج ۷، ص ۴۴۷۳۔ (۳۷) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۴۹۰۔ (۳۸) حنیف ندوی، محمد، سراج البیان، ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور، ج ۵، ص ۱۴۴۳۔ (۳۹) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۴۹۷۔ (۴۰) ہیکل، محمد حسین، حیات محمد، مترجم ابویحیٰ امام خاں، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۳۔ (۴۱) ابوالحسن علی ندوی، اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۴-۱۳۔ (۴۲) کیرن آرم سٹرانگ، حضرت محمدؐ، مترجم محمد عاصم بٹ، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۷۴۔ (۴۳) نذیر احمد نیازی، سید، مکتوبات اقبال، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۹۶۔ (۴۴) یہودیوں کے حسد کے سلسلہ میں البقرہ کی آیت ۱۰۹ ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (۴۵) ضیاء النبی، ج ۵، ص ۸۵۔ (۴۶) لکشمی پرشاد، سوامی، عرب کا چاند، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۶۔ (۴۷) فی ظلال القرآن، ج ۵، ص ۲۸۲۔ (۴۸) ضیاء النبی، ج ۵، ص ۳۴۵۔

تحریک آزادی اور
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سیاسی فکر

جناب ڈاکٹر محمد صہیب

تاریخ، اسباب و علل اور نتائج میں ربط پیدا کرنے کا نام ہے، تاریخ کی ترتیب و تدوین میں ادنی سے ادنی واقعہ کی بھی بہت اہمیت ہوتی ہے، ایک مورخ جب تاریخ مرتب کرتا ہے تو واقعات و حادثات کا امین ہوتا ہے، اس کے قلم کی ذراسی جنبش سے ملک تہ و بالا ہوسکتا ہے، اقوام کی قسمتیں پلٹ سکتی ہیں، اس لیے مورخ کی شخصیت، اس کے مذہب اور فکر کا عکس تاریخ کی تدوین میں نہیں جھلکنا چاہیے، سچ پیش کیا جائے تاریخ کی یہی ابتدا ہے اور یہی انتہا ہے۔

افسوس ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جہد آزادی میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیے، مورخین ان کو بیان کرنے میں اخفا و اغماض سے کام لیتے ہیں، علما کے خون سے میدان جنگ سرخ ہوگئے، عمامہ کی جگہ سر پر کفن باندھے گئے لیکن اس کا ذکر کم ملتا ہے۔

یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے شجاعانہ کارناموں کے سبب انگریز ان کو ہی اپنا اصل دشمن سمجھتے تھے اور ۵۷ء کی تحریک آزادی کا ذمہ دار مسلمانوں کو ہی مانتے تھے، ہنری ہملٹن تھامس لکھتا ہے:

> ”میں نے پہلے بیان کیا کہ غدر ۱۸۵۷ء کے اصل محرک ہندو نہ تھے اور اب میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا، ہندوؤں کو اگر آزادی میسر ہو اور وہ اپنی خواہشات تک محدود ہوں تو وہ اس طرح کے غدر میں حصہ نہیں لے سکتے اور نہ ہی لینا چاہتے تھے“۔(۱)

۱۵۶-بی/۹-بی/۱، شمس نگر، کریلا باغ، الہ آباد۔

شاملی کی جنگ ہندوستانی تاریخ کے لیے مشعل راہ تھی، اس میں ایک حافظ قرآن کے لہو کی چمک تھی، جس نے رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، وہ حاجی تھا اور جو سپہ سالار تھا وہ صحیح معنوں میں قاسم تھا، اس لیے کہ اس نے لوگوں میں جذبہ جہاد تقسیم کیا تھا۔ (۲)

اس معرکہ میں کتنوں نے جام شہادت نوش کیا؟ حافظ ضامن شہیدؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ کتنے ہندو تھے؟ اس کی تفصیل سے عموماً گریز کیا جاتا ہے لیکن یہ بہرحال واضح ہوتا ہے کہ:

"تحصیل کی حدود میں مسجد اور شوالہ دونوں تھے جو خون سے لالہ زار ہوگئے تھے"۔ (۳)

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک عالم دین جو سعید و رشید تھا، انتہائی فراست و تدبر کے ساتھ انگریزوں سے توپ چھین لایا تھا۔ (۴)

ممکن ہے کہ ان سچائیوں سے صرف نظر اس لیے کیا گیا ہو کہ اس سے نہ صرف یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کا پتہ چلتا ہے بلکہ ایک عالم باعمل کی عظمت کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے کس طرح ہندوستانیوں کو ایک پرچم تلے لے کر چل رہا تھا اور اشتراک عمل کی بنیاد مستحکم کر رہا تھا۔

چوں کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سیاسی فکر سے بحث مقصود ہے، اس لیے شاملی وغیرہ کی تفصیلات سے گریز کیا جاتا ہے۔

۱-حب الوطنی، ۲-اشتراک عمل، ۳-مذہب کا احترام، ۴-علما کا احترام۔

یہ ایسے نکات ہیں کہ جن کے رہتے ہوئے انگیریز ہندوستانیوں پر حکومت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انگریزوں نے ان گوشوں پر خاص توجہ کی، مذہب میں شکوک اور اوہام کو فروغ دینے کی سازش رچی گئی جس سے علما کا وقار بھی مجروح ہوا، فرقہ وارانہ فسادات کی راہیں ہموار کی گئیں، اس سے پہلے وہ بادشاہوں اور امرا و حکام کو خوار کر چکے تھے لیکن انگریزوں کی اس حکمت عملی کا ردعمل بھی شدید ہوا، فرنگیوں کے خلاف نفرت کی لہر چلنے لگی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو انگریزوں کی ان پرفریب سازشوں کا احساس تھا،

۱۸۵۰ء میں جب فرنگیوں نے یہ حکم صادر کیا کہ بہادر شاہ کے بعد شاہی خاندان کے لوگوں کو قلعہ سے نکال دیا جائے گا، اس وقت حضرت نانوتوی دہلی کے محلہ کوچہ چیلان میں مقیم تھے، مولانا پر اس ظالمانہ تجویز اور حکم کا شدید اثر ہوا، اس دوران حالت جذب طاری رہتی اور زندگی بالکل بے کیف سی ہو کر رہ گئی۔(۵)

جب انگریزوں نے ملکہ وکٹوریہ کو ہندوستان کی قیصر بنا کر دہلی میں تاج پوشی کے جشن کا فیصلہ کیا تو حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی اس وقت دہلی میں تھے، جب جشن کی تیاری ہونے لگی تو مولانا پر اس قدر افسردگی طاری ہوئی کہ آپ دیوبند چلے آئے، حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت نانوتوی دہلی سے دیوبند چلے آئے اور فرمایا کہ مجھ سے ان کی (انگریزوں کی) شوکت نہیں دیکھی جاتی، اس لیے دہلی سے دیوبند چلا آیا کہ نہ دیکھوں گا نہ کوفت ہوگی''۔(۶)

مولانا نانوتوی کو احساس تھا کہ معرکہ دین و وطن کی بحث ایک غیر ضروری شئے ہے، اگر وطن ہی نہ ہوگا تو دین کہاں پھلے پھولے گا اور دین نہ ہو تو وطن کی مثال اس ماں کی سی ہوگی جو اپنے بچہ کو کوئی سمت نہیں دے سکتی۔

۵۷ء کی جہد آزادی میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شرکت عوام کے جذبات کی طرح نہیں تھی کہ ایک ہنگامی صورت حال پیدا کر دی جائے اور پھر جب ملک میں افراتفری پھیل جائے تو اس کا تدارک و تلافی ممکن نہ ہو۔

مولانا نے ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت میدان سیاست میں قدم رکھا، وہ تخریب برائے تخریب کے قائل نہ تھے، جب ملکہ وکٹوریہ کے جشن کا انعقاد ہو رہا تھا اور وہ دہلی سے دیوبند چلے آئے تھے، اس وقت انہوں نے ایک تاریخ ساز جملہ کہا تھا کہ:

> ''......الحمد للہ اتنی طاقت تو ہے کہ سارا دربار درہم برہم کر دوں مگر سنبھالنے والے نظر نہیں آتے، اس لیے دہلی چھوڑ کر چلا آیا''۔(۷)

ہندوستان کے اس وقت کے حالات سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جنگ وقتال

کے لحاظ سے انگریزوں سے تصادم مناسب نہیں، اس لیے انہوں نے ایک نیا محاذ کھولا، یہ محاذ دار العلوم کا قیام تھا۔

دار العلوم کا قیام اس لیے ہوا تھا کہ یہاں افراد کی اس طرح تشکیل وتہذیب کی جائے کہ وہ دین کے رہنما ومحافظ ہونے کے ساتھ ملک اور وطن کے پاسبان بھی ہوں، جن حالات میں دار العلوم کا قیام عمل میں آیا اس کا اندازہ حضرت شیخ الہندؒ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

> ''حضرت الاستاذ (حضرت نانوتوی) نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم وتعلم کے لیے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے''۔(۸)

حضرت نانوتوی کی یہ وہ حکمت عملی تھی جس نے انیسویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دہائی کے بلاخیز اور پرآشوب دور میں ایک طرف تو جہاد باللسان پر عمل کرکے اپنے موقف کی وضاحت کی، دوسری جانب انگریزی استبداد کے سامنے سپر نہیں ڈالی، بلکہ یہ حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا کہ اگر حریف مضبوط ہے اور فتح حاصل نہیں کی جاسکتی تو حکمت عملی بدل دینا چاہیے۔

علمی مرکز کے طور پر دار العلوم دیوبند کا تعارف ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء سے شروع ہوتا ہے لیکن سیاسی نقطہ نظر سے اس کا قیام دس برس پہلے یعنی ۱۸۵۷ء میں ہو چکا تھا، قاری طیب صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''دار العلوم کی سیاسی تاریخ کا آغاز قیام دار العلوم سے بھی نو دس سال پہلے سے سمجھنا چاہیے''۔(۹)

دار العلوم کے مقاصد واہداف کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''......مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایمان دارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو''۔(۱۰)

مولانا کی سیاسی بصیرت نے آنے والے لمحات کا ادراک کرلیا تھا کہ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں مسلح انقلاب تقریباً ناممکن ہے، مقامی طور پر وقتی کامیابی بھی انجام کار بے نتیجہ ہے، اس لیے نسلوں کی اس طرح تربیت کردی جائے اور آزادی کی جڑوں کو اتنا مضبوط اور مستحکم کردیا جائے کہ غیر ملکی استبداد کو قدم جمانے کا موقع ہی نہ مل سکے، اس اعتبار سے دارالعلوم کا قیام لارڈ میکالے کا دنداں شکن جواب تھا، مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

"اگر لارڈ میکالے نے یہ کہہ کر اپنا نظام تعلیم ہندوستان میں پھیلایا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے، جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور روح و فکر کے لحاظ سے انگریز تو اس جلیل القدر شخصیت نے دارالعلوم کی بنیاد ڈالتے ہوئے لسان حال سے یہ عملی صدا بلند کی کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے عربیت و اسلامیت کی روح سے معمور اور بھرپور ہوں"۔ (۱۱)

ان واقعات و شواہد کی روشنی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سیاسی فکر وبصیرت کے جو اجزائے ترکیبی ہیں انہیں اختصار سے پیش کیا جارہا ہے:

۱-حصول مقصد کے لیے شمشیر اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن شمشیر کی کاٹ کو یقینی بنالینا چاہیے۔ ۲-حربی محاذ پر ناکامی سے پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ ۳-زبان و قلم کا محاذ۔ ۴-اشتراک عمل۔ ۵-علمی و فکری سطح پر ایسی نسل تیار کی جائے جو حصول مقصد کے لیے سرفروشی کی تمنا رکھتی ہو۔ ۶-عالمی سطح پر اسلامی تشخص اور مرکزیت برقرار رکھی جائے۔

۱۸۷۴ء میں روس نے جب ترکی پر دوبارہ حملہ کردیا اس وقت حضرت نانوتوی نے ترکی کے لیے مالی تعاون کی مہم چلائی اور اس جنگ میں عملی شرکت کے لیے ارض حجاز کا رخ کیا، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کے مطابق:

"اس تحریک کو پورے ملک سے جو تعاون ملا وہ غالباً ہندوستان کی اس وقت کی ملی تاریخ کا سب سے پہلا عظیم ترین تعاون تھا"۔ (۱۲)

حضرت نانوتوی نے ایک مرتبہ شیخ محمد صاحب سے دریافت فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ

دشمنان دین و وطن کے خلاف جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے، شیخ نے فرمایا کہ ہم بے سرو سامان ہیں، ہمارے پاس آلات حرب نہیں ہیں، مولانا نانوتوی نے برجستہ عرض کیا کہ ''اتنا بھی سامان نہیں جتنا غزوۂ بدر میں تھا''۔

مولانا نانوتوی کے فکر و عمل اور تعلیم و تربیت نے ہندوستان کی آزادی کی راہ جس طرح ہموار کی اس کی ایک مثال شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور تحریک ریشمی رومال ہے۔

حضرت شیخ الہند کی شخصیت اور فکر پر مولانا نانوتوی کے سیاسی افکار و نظریات کے گہرے نقوش مثبت تھے، شیخ الہند نے حضرت نانوتوی کی بصیرت اور اقدامات و تجاویز کو بڑے قریب سے دیکھا تھا، چنانچہ شیخ الہند کے یہاں انگریزی تسلط کے خلاف وہی غم و غصہ تھا جو حضرت نانوتوی کے یہاں دیکھا گیا، اسی فکر و عمل اور جذبہ کو دیکھ کر یوپی کے گورنر سر جیمس میسٹن نے ایک موقع پر کہا تھا کہ:

> ''اگر اس شخص (مولانا محمود حسن) کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے تو وہ بھی اس کوچہ سے نہیں اڑے گی، جس میں کوئی انگریز ہوگا''۔ (۱۳)

اس سلسلہ میں مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کی ایک تحریر ملاحظہ ہو:

> ''چوں کہ یہ سب واقعات شیخ الہند کے سامنے پیش آئے تھے، انہوں نے اپنے استاد اور مربی مولانا محمد قاسم کی بے چینی دیکھی تھی...... اس لیے یہی فکر، یہی درد اور غم شیخ الہند کے رگ و پے میں سما گیا اور یہی وہ چنگاری تھی جو شعلہ جوالہ بن کر ابھری اور شیخ الہند کو اک نہ ختم ہونے والا جذبہ اور صدیوں تک زندہ و تازہ رہنے والا حوصلہ عطا کر گئی، یہی چنگاری اور حوصلہ تھا جس نے بعد کے دور کی ہند اسلامی تاریخ پر اپنے عزم و حوصلہ کے گہرے اثرات چھوڑے''۔ (۱۴)

مولانا نانوتوی کی سیاسی فکر کا اثر تحریک ترک موالات اور جمعیۃ علمائے ہند کی تشکیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس دہلی کے موقع پر انقلابی علما کی ایک مستقل دستوری جماعت بنائی گئی جس کے پہلے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب منتخب ہوئے، ۱۹۲۶ء کے اپنے اجلاس میں جمعیۃ علمائے ہند نے سب سے پہلے ''مکمل آزادی'' کی قرارداد منظور کی، اس سے پہلے ۱۹۲۴ء

میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے جمعیۃ کے اجلاس میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے ''مکمل آزادی'' کی جانب متوجہ کیا تھا، جب کہ کانگریس نے جمعیۃ کی تجویز کے بعد ۱۹۲۹ء میں آزادی کامل کی تجویز منظور کی۔(۱۵)

حضرت نانوتوی کے سیاسی طرز عمل کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو دو باتیں خاص طور سے ابھر کر سامنے آتی ہیں:

۱-اشتراک عمل اور ۲-عصبیت کے خلاف جنگ۔

مولانا نانوتوی کا طرز عمل یہ تھا کہ وسیع تر مقصد کے لیے غیر مسلموں سے اشتراک عمل کیا جائے اور اس اشتراک کے لیے اپنا تشخص مٹانا ضروری نہیں۔

فکر نانوتوی کے تحت ہندوستان کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کرنے والے علما میں شیخ الہند کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی وغیرہم ممتاز ہیں۔

علمائے دین خلافت تحریک کے حامی و مددگار ہی نہیں علم بردار بھی رہے مگر استعمار مخالف جذبے میں انہوں نے کبھی اپنے اسلامی تشخص کا سودا نہیں کیا، چنانچہ مصطفیٰ کمال پاشا جب تک غازی رہے ان کو ان علما کی تائید و تحسین حاصل رہی، وہ لادینی سیاست کا شکار ہوئے تو ان علما نے اتاترک کی سمت فکر بھی کی، مولانا ابوالکلام آزاد ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے لیے خطبہ صدارت میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، وہی بعد میں اس غازی کے بارے میں مستقل سکوت اختیار کرتے ہیں۔

ان مردان حق آگاہ کا تاریخی کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، یہ وہ مذہبی افراد تھے جنہوں نے ہندوستان کو اتحاد و یگانگت اور یک جہتی کا پیغام ہی نہیں دیا عملی سبق بھی پڑھایا تھا، صرف سرفروشی کی تمنا نہیں تھی عملاً بھی اس کی مثال قائم کی اور دیوبند کی شکل میں ایک مستقل ادارہ کی صورت میں اپنے پیغام کو دوام بخشا۔

یہ کوئی نیا پیغام نہیں تھا بلکہ صدیوں کی تاریخی گرد کو صاف کر کے یہی بات دہرائی گئی کہ

تقسیم ملل حکمت افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے شمشیر، تحریر، تقریر اور تدبیر سے تعمیر کا فریضہ انجام دیا اور یہ تعمیر فکر کی پختگی اور سیاسی شعور کی تربیت کے لیے تھی۔

مراجع و مآخذ

(۱) المسلمون فی الہند، ص ۱۵۶، مولانا ابوالحسن علی ندوی، ندوۃ العلما ۱۹۹۸۔ (۲) حافظ سے مراد حضرت حافظ ضامن شہید ہیں جو امیر جہاد یا صدر مجلس جنگ تھے، شاملی کی جنگ میں شہید ہوئے، حاجی سے مراد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہیں، جن کو سیاسی امام منتخب کیا گیا تھا اور جن کی قیادت میں شاملی کی جنگ لڑی گئی تھی، قاسم سے مراد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں جو امیر الافواج (چیف کمانڈر) تھے۔ (۳) Freedom Struggle in Uttar Pradesh, Page No-141, V, Edited by S.A.A. Rizvi Information Department, Uttar Pradesh, Lucknow.۔ (۴) مجاہدین کو اطلاع ملی کہ سہارن پور سے شاملی کی طرف انگریزوں کی ایک پلٹن گزر رہی ہے، یہ پلٹن اپنے ساتھ توپ خانہ بھی لے کر جا رہی ہے، حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو تیس یا چالیس مجاہدین پر افسر مقرر کیا اور اس ٹکڑی کو پلٹن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، یہ ٹکڑی باغ میں چھپ گئی، جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے سے گزری تو اس ٹکڑی نے حملہ کر دیا، پلٹن گھبرا گئی اور توپ خانہ چھوڑ کر وہ لوگ بھاگ گئے، حضرت گنگوہی نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں لا کر ڈال دیا۔ (تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند، ص ۷۰، محمد اکبر شاہ بخاری، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی پاکستان) (۵) سوانح قاسمی، ۲: ۸۳، مولانا مناظر احسن گیلانی، مطبوعہ دار العلوم۔ (۶) ایضاً ص ۹۰۔ (۷) ایضاً (۸) ایضاً ص ۲۲۶۔ (۹) تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند، ص ۷۱۔ (۱۰) دار العلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۴، مولانا محمد طیب، دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند، ۱۹۶۵ء۔ (۱۱) سوانح قاسمی، ۱: ۵۔ (۱۲) قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، احوال و آثار و باقیات و متعلقات، ص ۱۰۳، نور الحسن راشد کاندھلوی، مکتبہ نور کاندھلہ، ۲۰۰۰ء۔ (۱۳) تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند، ص ۶۸-۶۹۔ (۱۴) سوانح قاسمی، ۲: ۸۴۔ (۱۵) قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، احوال و آثار، ص ۹۳۔ (۱۶) جمعیۃ علمائے ہند کی مختصر تاریخ و تعارف، ص ۴، ۵، ۶، عبد الحمید نعمانی، مطبوعہ جمعیۃ علمائے ہند، نئی دہلی۔ (۱۷) ادارہ میں جماعتیں، اقوام و مذاہب اور مملکت یعنی اسٹیٹ شامل ہیں۔ (۱۸) تاریخ دیوبند، ص ۴۳۰، سید محبوب رضوی، علمی مرکز دیوبند، ۱۹۷۲ء۔

مقامہ نگاری کی تجدید

ڈاکٹر احمد نسیم صدیقی

"مقامہ" کا استعمال ابتدا میں کسی مجلس یا مجلس کی جگہ کے لیے کیا گیا، اسی مفہوم میں اس لفظ کو عہد جہالت کے کئی شعرا مثلاً زہیر بن ابی سلمیٰ نے بھی استعمال کیا ہے، جب کہ لبید بن ربیعہ اس قسم کی مجلس میں شرکت کرنے والے لوگوں کے لیے "مقامہ" استعمال کرتا ہے، ابتدائی اسلامی دور میں خلیفہ کے دربار کے سامعین کے لیے مقامہ استعمال کیا گیا، جہاں کوئی دانش ور تقریر کرتا یا کوئی قصہ گو کہانی سناتا تھا، بعد ازاں اس لفظ کے مفہوم میں کسی خوش بیان شخص کے ذریعہ بیان کردہ واقعہ اور روایت کو بھی شامل کر لیا گیا اور اسی مفہوم میں بدیع الزمان الہمدانی اور اس کے پیروکاروں کے قصوں کو "مقامہ" کہا جانے لگا۔

ایک "مقامہ" کسی خیالی راوی کے ذریعہ مختصراً سنایا جانے والا قصہ ہوتا ہے، جس میں راوی ایک خیالی ہیرو کی مہمات بیان کرتا ہے، اس کا ہیرو خطابت کے جوہر سے آراستہ ہوتا ہے اور وہ خود ایک جہاں نورد یا فقیر نظر آتا ہے، اس کی زبان کی لطافت نہ صرف سامعین کو مسحور کر دیتی ہے اور راوی کو سامعین کی داد و دہش کا مستحق بنا دیتی ہے، یہ جہاں نورد ایک ملک سے دوسرے ملک حالت اضطراب میں پھرتا رہتا ہے اور اپنے زور خطابت سے اپنی روزی حاصل کرتا ہے، ہر مقامہ محض ایک واقعہ کی روداد پر مبنی ہوتا ہے جو یا تو ہیرو کا تجربہ ہوتا ہے یا پھر اس کے تخیل کی اپج، اس مقامہ کا پلاٹ عموماً بھیک مانگنے سے متعلق ہوتا ہے لیکن کبھی ہیرو مافوق العادت کے میدان میں بھی داخل ہو جاتا ہے اور سامعین کو بھوتوں اور شیطانوں کی داستانیں سناتا ہے، ہیرو ایک مبلغ کا کردار بھی ادا کرتا ہے جو عوام کو ان کے مذہب کی حقیقی تعلیمات کے ذریعہ ملحدوں اور الحاد کے خلاف نبرد آزما ہونے پر تیار کرتا ہے، بعض دفعہ مقامہ کا مرکزی کردار کوئی حیوان بھی ہوتا ہے، مثلاً "المقامۃ الاسدیۃ" جس میں بدیع الزماں شیر کی زندگی، اس کی خصلتوں اور زبان عربی میں شیر کے مختلف ناموں کے بارے میں

ریڈر شعبہ عربی، لکھنؤ یونی ورسٹی، لکھنؤ۔

معلومات فراہم کرتا ہے، اسی طرح "المقامۃ الہمدانیۃ" میں ہیرو عربی گھوڑے کے بارے میں تفصیل سے بتاتا ہے اور عربی زبان کے بارے میں اپنی معلومات کا بھی مظاہرہ کرتا ہے، دیگر مقامات میں کسی خاص شہر اور اس کے باشندوں کی عادات واطوار اور خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

جدید عربی مختصر افسانہ کے مقابلہ میں مقامہ کا دائرہ موضوع اور ساخت کے لحاظ سے کافی محدود ہے، بنیادی طور پر ایک مقامہ اس کے راوی اور ہیرو کے مابین ایک قسم کا مکالمہ ہے جو مقفی نثر میں خطیبانہ اسلوب میں پیش کیا جاتا ہے، اس کا خاص مقصد نصیحت اور زبان عربی کی قوت تاثیر اور لطافت کا مظاہرہ ہوتا ہے، عہد نو میں عرب ادبا کے ایک گروپ نے مقامہ کو حیات نو دینے کی کوشش کی، اس گروپ میں خاص کر ناصف الیازجی (۱۸۷۱ء)، صالح ماجدی (۱۸۸۰ء)، فارس بن یوسف الشدیاق (۱۸۸۷ء)، ابراہیم المویلحی (۱۹۰۵ء)، حافظ ابراہیم اور عبداللہ ندیم کے نام قابل ذکر ہیں، اس فہرست میں سب سے ممتاز نام محمد المویلحی کا ہے۔

ناصف الیازجی اپنی تربیت اور طبیعت کے لحاظ سے قرون وسطی میں رائج عربی اسلوب کو فروغ دینے والا ادیب تھا، ناصف کی پیدائش ایک رومن کیتھولک عیسائی خاندان میں لبنان میں ہوئی تھی اور اس نے ایک مقامی گرجا گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، نوجوانی میں اس کے دل میں عربی زبان سیکھنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی، غالباً یازجی کی نظر میں ادبی میدان میں کامیاب ہونے کے لیے عربی پر قدرت کافی تھی، یازجی نے کوئی یوروپی زبان سیکھنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ اس دور میں لبنان میں رومن کیتھولک مشنری اسکولوں میں فرانسیسی زبان کی سہولت فراہم تھی۔

ناصف نے اپنا ادبی سفر شاعری سے شروع کیا، اس کی ابتدائی نظموں میں لبنان کے امیر بشیر الشہابی کے لیے ایک مدحیہ قصیدہ بھی ہے، جس سے خوش ہوکر امیر نے ناصف کو اپنے دربار میں سکریٹری کی حیثیت سے وابستہ کرلیا تھا لیکن ۱۸۴۰ء میں امیر کے زوال کے بعد ناصف بیروت ہجرت کرگیا جہاں وہ مختلف اسکولوں میں عربی کی تدریس میں مصروف رہا، شامی پروٹسٹنٹ کالج میں اسے مقدس انجیل کے عربی ترجمہ پر نظر ثانی کرنے کی ذمہ داری سپرد کی گئی، تدریس کے ساتھ ہی وہ عربی صرف ونحو اور بلاغت وغیرہ پر اپنی ذہانت کے جوہر دکھاتا رہا۔

ناصف یازجی نہ صرف مقامہ کے بانیوں کی تقلید میں کامیاب رہا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ

وہ اس مشکل ادبی صنف میں ان سے بھی بازی لے گیا، اس کی تصنیف ''مجمع البحرین'' میں ساٹھ مقامات ہیں جو تعداد میں حریری کے مقامات سے دس زیادہ ہیں، اسلوب اور مواد کے لحاظ سے یہ مقامات حریری کے مقامات کی واقعی نقل ہیں، قرون وسطی کے ادبا کے مانند دو خیالی کردار وضع کیے گئے ہیں جن میں سے ایک سہیل بن عباد راوی ہے اور دوسرا ہیرو میمون بن خزم، الحریری کے ہیرو کے مانند ناصف کا ہیرو بھی ہمیشہ جھگڑا کرتا نظر آتا ہے مگر اس کا مقابل اس کا خدمت گار رجب یا اس کی بیٹی لیلی ہوتی ہے، ناصف کا ہیرو بھی حریری کے ہیرو کی مانند ایک خوش بیان لیکن نامعقول شخص ہے جو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے ناپسندیدہ ذرائع استعمال کرتا ہے، مقامات کے دوسرے کردار بھی جذبات، مزاج اور مقاصد کے لحاظ سے حریری کے کرداروں کے مشابہ ہیں، ناصف نے اعلا درجہ کی مقفی نثر کے درمیان چیدہ چیدہ اشعار بھی نقل کیے ہیں، وہ قرآن مجید سے بھی اقتباسات لیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عیسائی ہونے کے باوجود قرآن مجید نیز دیگر مقدس تحریروں کا وہ اچھا عالم تھا، کہا جاسکتا ہے کہ ناصف اگر حریری کی لسانی مہارت کو شکست نہ دے پایا تو بھی اس میدان میں اس نے ہم سری کا دعوا ضرور پیش کیا ہے۔

بدقسمتی سے ناصف کے مقامات بڑی حد تک زمانی تاریخ کی غلط مثال ہیں کیوں کہ ان میں بنیادی طور پر اسلام سے پہلے اور ظہور اسلام کے بعد کے ماحول اور موضوعات کی کورانہ تقلید کی گئی ہے، وہ علم کے مختلف میدانوں میں آوارہ گردی کرتا ہے جو لاکھ محتاط اور علمی لحاظ سے دل چسپ سہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جدید عربی نثر کی ترقی میں کوئی موثر کردار پیش نہیں کرتی، ویسے بھی ناصف سے یہ توقع کرنا کہ وہ نثر کے جدید پیمانوں کے مطابق لکھے گا، صحیح نہیں ہے کیوں کہ مقامات ''مجمع البحرین'' کے مقدمہ میں اس نے واضح کر دیا ہے کہ مقامہ کی تصنیف میں اس کا مقصد قدامت اور تقلید پرستی ہے۔

ناصف الیازجی کے ایک ہم عصر مصری ادیب عبداللہ ندیم نے بھی مقامات کے میدان میں طبع آزمائی کی ہے، ندیم مکالمہ نگاری کے لیے شہرت رکھتا ہے، ندیم نے نو[۹] مقامات لکھے جو مصر میں ''کتاب المسامیر'' کے عنوان سے شائع ہوئے، مقدمہ میں لکھا گیا کہ یہ پہلا حصہ ہے، دوسرا حصہ بعد میں شائع کیا جائے گا لیکن دوسرے حصہ کی اشاعت کا ہم کو علم نہیں۔

ندیم نے بھی روایتی اسلوب کو برقرار رکھا ہے، اس کے مقامہ میں ایک کردار الشریف ابوہاشم نامی راوی کا ہے جو مرکزی کردار الشیخ مدین کی مہمات کو بیان کرتا ہے، یہ مقامہ دیگر قدیم و عصر مقامات سے مواد کے لحاظ سے کافی علاحدہ ہے، اس میں دراصل ترکی سلطان عبدالحمید ثانی کے مشیر برائے مذہبی امور ابوالہدیٰ السیدی کے خلاف زہرافشانی کی گئی اور نہایت رکیک اور عامیانہ زبان استعمال کی گئی ہے، ندیم ۱۸۹۳ء میں قسطنطنیہ میں قیام پذیر تھا، جب مشہور مصلح جمال الدین افغانی وہاں تشریف لائے، السیدی نے توہم پرست سلطان کو اپنے شعبدوں کے ذریعہ اپنا مرید بنالیا تھا لیکن جب جمال الدین افغانی کی جانب سلطان کی توجہ افزوں ہوئی تو السیدی کو اپنے لیے خطرہ نظر آنے لگا، لہذا اس نے جمال الدین پر زبردست تنقید شروع کردی، اس موقع پر ندیم افغانی کے دفاع میں آگیا اور اس نے السیدی کی ہجو بہ شکل مقامات تصنیف کردی، ان مقامات کی تعداد نو ہے، ان مقامات میں السیدی کی پیدائش سے سلطان کے دربار میں اس کے عروج تک زندگی کی کہانی کو شیطان کی سازشوں کا نتیجہ دکھایا گیا ہے اور یہ کہ ان تمام سازشوں کا واحد مقصد مذہب اسلام کو مسخ کرنا، نیز مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا تھا۔

ندیم نے ان مقامات میں قدیم اور واضح عربی زبان استعمال کی ہے لیکن زمانہ کے رواج کے مطابق درمیان میں چند عوامی اور ترکی محاوروں کا استعمال بھی ملتا ہے، ندیم نے مقفی نثر کو ہی فوقیت دی ہے، البتہ مقامات کے اخلاقی اور تعلیمی مقاصد کا لحاظ کم نظر آتا ہے اور یہ جمالیاتی یا تفریحی مقصد کی تکمیل بھی نہیں کرتے، ندیم بلند اخلاقی اقدار کا حامل، خطابت کے میدان کا شہسوار اور عربی کا قادرالکلام مصنف تھا مگر افسوس ہے کہ یہ مقامات اس کے ان اوصاف کی پوری عکاسی نہیں کرتے، وجہ غالباً یہی ہے کہ ان مقامات میں رکیک اور عامیانہ زبان کا استعمال، صاحب مقامہ کے لیے فخر کا باعث ثابت نہیں ہوا۔

مقامہ نگاروں میں تیسرا اہم نام محمد المویلحی کا ہے جو "حدیث عیسیٰ ابن هشام" کا مصنف ہے، محمد المویلحی ۱۸۵۸ء میں قاہرہ کے ایک قدامت پرست مسلم گھرانے میں پیدا ہوا، اس خاندان کے متعدد افراد نے ادب، سیاست اور عوامی زندگی میں اپنا نام روشن کیا تھا، اس کے دادا نے محمد علی کے دور میں مصر میں ریشم کی صنعت قائم کی تھی، اس کے والد خدیو اسماعیل کے نجی

سکریٹری تھے اور انہوں نے ایک مصنف اور صحافی کی حیثیت سے شہرت حاصل کی تھی، محمد المویلحی نے اسکولی تعلیم کے دوران فرانسیسی زبان سیکھی تھی، وہ ایک کم سخن اور شرمیلا طالب علم تھا، اسکول کی تعلیم میں بھی اس کی دل چسپی کم تھی، وہ زیادہ تر اسکول سے غیر حاضر رہتا اور اپنے والد کی نگرانی میں گھر پر ہی پڑھتا تھا، ۱۵ برس کی عمر میں اس نے اسکول جانا قطعی بند کر دیا لیکن اسی دوران وہ ازہر میں محمد عبدہ کے محاضرات میں ضرور شامل ہوتا، جس کی وجہ سے، عربی زبان اور دینی موضوعات نے اس کی دل چسپی میں اضافہ ہوا، وہ اپنے والد کے پاس آنے والے صرف ونحو، لسانیات اور اسلامی قانون کے عالموں کی گفتگو کو بہ غور سنتا، اس طرح وہ جمال الدین افغانی سے واقف اور ان کے خیالات سے کافی متاثر ہوا، اس کے مقامات ''حدیث عیسیٰ ابن ہشام'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دور کے مصری معاشرے کی زندگی کے مختلف شعبوں کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔

غیر ملکوں اور یورپ کے اسفار نے مویلحی کے ثقافتی تجربات کے دائرہ کو مزید وسیع کر دیا تھا، سرکاری ملازمت ختم ہو جانے کے بعد وہ اٹلی چلا گیا، جہاں اس نے ایک وکیل سے اطالوی اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں، وہ تقریباً تین برس یورپ میں رہا اور اس دوران وہ اٹلی، فرانس اور انگلینڈ کی سیاحت کرتا رہا، فرانس میں وہ مشہور فرانسیسی ادیب الیکزنڈر ڈیوما اور دیگر ادیبوں سے متعارف ہوا، ۱۸۸۵ء میں وہ اپنے والد کے ہم راہ لندن اور پھر استنبول گیا جہاں اس کے والد اعلا تعلیم بورڈ کے رکن مقرر ہوئے تھے، ۱۸۹۵ء میں محمد المویلحی نے ''مصباح الشرق'' شروع کرنے میں اپنے والد کی مدد کی، اس جریدہ نے معیاری عربی ادب کا ایک نیا باب کھول دیا۔

اسی جریدہ میں ۱۸۹۸ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان ''حدیث عیسیٰ ابن ھشام'' کی اولین قسطیں شائع ہوئیں، ۱۹۰۳ء میں اس جریدہ کے بند ہونے تک المویلحی اپنے مضامین اسی میں شائع کراتا رہا، وہ اس کے علاوہ دیگر رسالوں کے لیے بھی مسلسل لکھتا تھا مگر اپنے ابتدائی مضامین کی طرح وہ اب بھی عوام کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہا، اس کی غیر افسانوی کاوش ''علاج النفس'' سب سے زیادہ اہم ثابت ہوئی جس میں زندگی اور اخلاقیات کے موضوعات پر قسط وار فکری مضامین شامل ہیں، اس کاوش سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے مشرقی اور مغربی، قدیم و جدید تصنیفات کا کتنے وسیع پیمانہ پر مطالعہ کیا تھا، علاوہ ازیں زندگی کے میدان میں اس کے

تجربات اب بہت وسیع ہو چکے تھے۔

مقامہ حدیث عیسیٰ ابن ہشام میں عام طور سے المویلحی نے روایتی اسلوب کو برقرار رکھا ہے لیکن جب وہ فطری انداز اختیار کرتا ہے تو بڑی لطیف نثر پڑھنے کو ملتی ہے، اس مقامہ میں عیسیٰ ابن ہشام محض ایک راوی نہیں ہے بلکہ وہ قصہ کا مرکزی کردار بھی ہے جو دراصل مقامہ نگار کے اپنے خیالات اور فکر کے اظہار کا وسیلہ ہے، اس مقامہ کے ذریعہ مصری سماج کی برائیوں کی تلاش اوران کے علاج کی کوشش کی گئی ہے، اس کے علاوہ محمد علی کے عہد سے مصری زندگی کے مختلف شعبوں کی ترقی کی تصویر کشی بھی اس مقامہ کا مقصد ہے۔

المویلحی نے بھی بدیع الزماں کے مقامات کے طرز پر عیسیٰ ابن ہشام کی ابتدا ''حدثنا عیسیٰ ابن ہشام'' سے کی ہے، عیسیٰ ابن ہشام بتاتا ہے کہ اس نے خواب میں ایک چاندنی رات میں ایک قبر دیکھی، رات کی خاموشی اور قبرستان کے سکون سے متاثر ہو کر وہ حیات وموت پر غور وفکر کرنے لگتا ہے اور بالخصوص ان لوگوں کے بارے میں سوچتا ہے، جو وہاں ابدی نیند سو رہے ہیں اور جنہیں موت نے برابری کے ایک معیار پر لا کھڑا کیا ہے، وہ سوچتا ہے کہ کل ان میں سے بعض حکمراں اور سلطان تھے جو اپنی رعایا کی تقدیر کے مالک بنے ہوئے تھے، خوب صورت عورتیں تھیں جنہوں نے مردوں کو اپنے حسن سے مسحور اور مسخر کرلیا تھا، ایسے لوگ بھی ہیں جو فخر، طاقت اور شہرت سے لطف اندوز ہو رہے تھے، آج وہی لوگ یہاں مجبور و بے کس اور ایک ہی مقام اور ایک ہی انجام میں شریک ہیں۔

اس طرح کے خیالات میں غلطاں و پیچاں اس نے اپنی پشت پر اچانک شدید ہل چل محسوس کی، جس سے وہ بری طرح ڈر گیا، خوف زدہ ہونے کے باوجود اس نے مڑکر دیکھا اور پایا کہ ایک قبر شق ہوئی ہے اور ایک غیر معمولی دراز قامت شخصیت اس سے نمودار ہوئی ہے، اس شخصیت نے اسے اس سحر سے آزاد کردیا اور وہ تیزی سے وہاں سے چل پڑا، اس کو محسوس ہوا کہ وہ شخصیت اسے انتظار کرنے کے لیے کہہ رہی ہو، اس اندیشے سے حکم عدولی کی صورت میں کوئی خرابی کی صورت نہ سامنے آئے، اس نے اس شخص کا حکم مان لیا، وہ عیسیٰ کے قریب آیا اور بات چیت شروع کردی، وہ کبھی عربی میں اور کبھی ترکی میں باتیں کر رہا تھا۔

یہاں سے ان دو کرداروں کے درمیان طویل مکالمہ شروع ہوتا ہے جو پوری کتاب

میں جاری رہتا ہے، کسی خاص صورت حال کو واضح کرنے یا مصری سماج کے کسی پہلو کو بتانے کے لیے ثانوی کردار بھی متعارف کرائے جاتے ہیں۔

ان کرداروں میں پاشا کا کردار سب سے زیادہ دل چسپ ہے، ایک مافوق الفطرت قوت کے ذریعہ وہ ایسی حالت میں ہے کہ مصری سماج میں نئی نئی تبدیلیاں لا سکے، اس کی یہ صلاحیت وقت کی قید سے آزاد ہے، یہ طریقہ اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ مصنف انیسویں صدی کے آخری دنوں کے مصر کے اداروں اور اقدار میں ہونے والی تبدیلیوں کے سلسلے میں اپنی پسند اور ناپسند کا آزادی سے اظہار کر سکے، پاشا کو شروع سے ہی ایک مکمل کردار کی طرح پیش کیا گیا ہے، وہ ذہین، تحقیق پسند اور سماج پر گہری نظر رکھنے والا ہے، نئے مصری سماج کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے سے جب اسے روک دیا جاتا ہے تو وہ آزردہ ہو جاتا ہے، پاشا قدیم مصری سماج کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم اقدار مکمل طور پر معاشرے سے غائب نہیں۔

مقامہ حدیث عیسیٰ ابن ہشام میں حالاں کہ روایتی مقفی نثر کا استعمال کیا گیا ہے تاہم یہ نثر زیادہ سادہ، لطیف اور واضح ہے، قرون وسطیٰ کے ادیبوں کے اسلوب کی پیروی یا برابری کرنے کی کوئی کوشش یہاں نظر نہیں آتی ہے، قرون وسطیٰ کے عربی اسلوب کا رنگ اگر ہے تو یہ ادیب کے روایت پسند مزاج کے عکاس کے طور پر ہے، اپنے دور کے دیگر ادیبوں کی طرح المویلحی کو بھی مقفی نثر کی خوب صورتی اور تاثیر پر مکمل اعتماد تھا، "حدیث" کے مکالمے اس کے بیانیہ حصہ کے مقابلے میں زیادہ فطری اور اثر انگیز ہیں، بعض جگہ مکالموں کے ذریعہ ایسے موضوعات کو بھی پیش کر دیا گیا ہے جن کا براہ راست تعلق کہانی کے خاص موضوع سے نہیں ہے، مشہور مصری ناقد علی الراعی کے خیال میں یہ مقامہ مصری زندگی کا مضحکہ اڑانے کی غرض سے لکھا گیا ایک سماجی ہجو ہے۔

ناقدین کی رائیں مختلف ہو سکتی ہیں لیکن یہ بہر حال مسلم ہے کہ یہ کتاب مصر میں قومی نثری فکشن کی ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، المویلحی نے جس طرح اپنے عہد کی مصری زندگی کو اپنی تصنیف کی بنیاد بنایا ہے اور جس طرح اس زندگی کی عکاسی کی یہ دونوں باتیں قابل ستائش ہیں، البتہ حدیث عیسیٰ ابن ہشام کو مغربی نقطہ نظر سے ناول نہیں کہا جا سکتا ہے، تاہم اس میں ناول کے بنیادی عناصر موجود ہیں، اس کتاب نے مصری زندگی پر قابل ذکر اثر ڈالا ہے۔

اخبار علمیہ

چیچینیا کے دار الحکومت گروزنی میں یوروپ کی سب سے بڑی مسجد کے افتتاح کی خوش آیند خبر ملی ہے، یہ مسجد سابق صدر احمد قادروف کے نام سے منسوب ہے، موجودہ صدر رمضان قادروف کے علاوہ دنیا کے ۲۸ ملکوں کے نمایندے اس پروقار افتتاحی تقریب میں شریک ہوئے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس بابرکت موقع پر "اسلام - امن کا مذہب" کے موضوع پر تین روزہ بین الاقوامی کانفرنس بھی منعقد ہوئی جس میں روس کے مختلف علاقوں کے ۷۰ مسلم علما و فضلا نے شرکت کی، خوشی کی بات یہ ہے کہ مسجد و تعلیم کی روایت کا بھی خیال رکھا گیا ہے یعنی مسجد سے متصل ایک کتب خانہ بھی ہوگا جس میں زیادہ تر کتابیں حدیث و فقہ کے موضوعات پر ہوں گی، توقع ہے کہ یہ مرکز علم و مذہب اور چیچینیا کے عوام کی قومی و مذہبی روایات کے تحفظ اور عقیدہ کے فروغ میں بھی انشاء اللہ معاون و مفید ثابت ہوگا۔

تیلگو زبان کے شائقین کے لیے یہ اچھی خبر ہے کہ دینی معلومات پر مشتمل معروف انگریزی پندرہ روزہ رسالہ "اسلامک وائس" اب تیلگو میں بھی شائع ہوگا، اس کا مقصد تیلگو زبان کے بولنے اور پڑھنے والوں کو اسلامی تاریخ، دینی معلومات اور اقلیتوں کے مسائل اور حکومت کے فلاحی و ترقیاتی منصوبوں اور اسکیموں سے واقف کرانا ہے، خاص طور سے آندھرا پردیش کے وہ مسلمان جو تیلگو زبان سے زیادہ آشنا اور قریب ہیں ان کو اسلامک وائس کے اس تیلگو ایڈیشن سے خاصا فائدہ ہوگا، نیز اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی اصل تصویر کو ان برادران وطن کے سامنے پیش کرنے کا عمدہ موقع بھی ہوگا جن کی زبان تیلگو ہے، ۲۵ صفحات پر مشتمل ہوگا، اس کی قیمت بھی بہت کم یعنی صرف ۵ روپے ہے، اس کے اڈیٹر جناب محمد آصف اور ناشر و طابع جناب محمد رفیع اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس سال امریکہ، یوروپ کے علاوہ ہندوستان، نیپال، فلپائن اور سری لنکا سے تعلق رکھنے والے ۵۵۱ افراد اسلام کے دائرہ کرم میں داخل ہوئے اور یہ اسلامک ایجوکیشن فاؤنڈیشن

الحمراء سعودیہ کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، رپورٹ کے مطابق گذشتہ ۱۴ ربرسوں میں اس ادارے کی کوششوں سے ۵۷۷۴ اشخاص اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوچکے ہیں، ادارہ کے عوامی تعلقات کے ذمہ دار نے بتایا کہ اسلامک ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے پیش نظر ایسے ادارے کا قیام بھی ہے جو غیر عرب تارکین وطن کی عربی تعلیم کا نظم کرے تاکہ ان نو واردان وادی حجاز کو اسلام کے بنیادی عقائد وارکان سے بہ حسن وخوبی واقف کرایا جاسکے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق مصر میں ہر سال ۳۵ فیصد خواتین گھریلو تشدد اور مردوں کی ستم آرائی کا شکار ہوکر جاں بہ حق ہوجاتی ہیں، مردوں کی اس ظالمانہ روش کو دیکھتے ہوئے جامعہ ازہر کی کمیٹی برائے فتوی کے سربراہ شیخ عبدالحامد العطر اش نے فتوی دیا ہے کہ متاثرہ خواتین کو اپنے جابر وظالم شوہروں سے رہائی اور انصاف کا پورا حق ہے، واضح رہے کہ اس سے قبل سعودیہ کے مفتیوں نے بھی بیوی کو شوہر سے مقاومت کے حقوق کی حمایت کا فتوی دیا تھا۔

ایک جائزے کے مطابق دنیا کی آبادی میں ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، ایک ہندو (غیر مسلم) کے بالمقابل ۲ مسلمان اور ہر ایک یہودی کے بالمقابل سو مسلمان ہیں، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تنظیم اسلامی کانفرنس میں ۵۷ ملک شامل ہیں، ان تمام اسلامی ملکوں میں یونی ورسٹیوں کی تعداد صرف پانچ سو ہے، آبادی کے تناسب سے ہر تین ملین یعنی تیس لاکھ مسلمانوں پر صرف ایک یونی ورسٹی ہے جب کہ امریکہ میں ۵۷۵۸، ہندوستان میں ۸۴۰۷ یونی ورسٹیاں ہیں اور اگر چین کی شنگھائی یونی ورسٹی کے ذریعہ کرائے گئے ۲۰۰۴ء کے جائزے کو پیش نظر رکھا جائے تو عالم اسلام میں ایک بھی یونی ورسٹی ایسی نہیں ہے جو دنیا کے پانچ سو اعلیٰ درجہ کی یونی ورسٹیوں میں شامل ہوسکے، UNDP کے اعداد وشمار کے مطابق عیسائی ممالک میں ۹۰ فیصد لوگ پڑھے لکھے ہیں ، ان میں عیسائی اکثریت والے ۱۵ ممالک ایسے ہیں جہاں شرح خواندگی صد فیصد بتائی جاتی ہے، اس کے علاوہ عالم اسلام میں اوسطاً صرف ۴۰ فیصد لوگ ہی پڑھے لکھے ہیں اور ایسا کوئی مسلم ملک نہیں ہے جہاں شرح خواندگی صد فیصد ہو، عیسائی دنیا کے ۴۰ فیصد لوگ یونی ورسٹی سطح تک کے تعلیم یافتہ ہیں جب کہ مسلم ملکوں میں اس درجہ کے تعلیم یافتگان کی تعداد صرف دو فیصد ہے، مسلم ملکوں میں دس لاکھ میں صرف ۲۳۰ رافراد سائنس داں ہیں جب کہ امریکہ میں دس لاکھ پر ۴ رہزار اور جاپان

میں ہر ملین پر ۵ ہزار سائنس داں پائے جاتے ہیں، اس جائزہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عالم اسلام میں کل آمدنی کا صرف ۲ فیصد حصہ ریسرچ اور تحقیق اور تعلیم کی ترقی میں صرف کیا جاتا ہے جب کہ عیسائی ممالک میں اس مقصد کے لیے ۵ فیصد رقم صرف کی جاتی ہے، مسلمانوں میں علمی اور تعلیمی انحطاط کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ۱۰۵ ر برس کے دوران ۱۴ ملین یہودیوں نے ۱۵ درجن نوبل انعام حاصل کیے جب کہ ایک ارب ۴۰ کروڑ مسلمانوں میں یہ اعزاز صرف ۳ ہی کو حاصل ہوسکا۔

''آفاق الثقافۃ والتراث'' نامی سہ ماہی رسالہ مرکز جمعۃ الماجد متحدہ عرب امارات دبئی سے شائع ہوتا ہے، اپنے علمی و تحقیقی مشمولات و مضامین کے لحاظ سے اس کا شمار عربی کے اہم رسائل و جرائد میں ہوتا ہے، اس کے مدیر ڈاکٹر عزالدین بن زغیبہ ہیں، اس کا تازہ شمارہ اس لیے بہ طور خاص قابل ذکر ہے کہ اس میں عرب فضلا نے بعض ہندوستانی محققین اور ان کے افکار و نظریات کو اپنے علم و تحقیق کا موضوع بنایا ہے، اس کا اداریہ دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد سے وابستہ عظیم محقق جناب شیخ ابوبکر ہاشمی کی وفات پر علم و تحقیق کے میدان میں ان کی خدمات کے اعتراف و ذکر کے لیے خاص ہے، ایک عرب خاتون ڈاکٹر قدریہ سلیم نے ملا عبدالحکیم سیال کوٹی کشمیری اور عربی زبان و ادب سے متعلق ان کی تحقیقی تصنیفات کا محققانہ و ناقدانہ جائزہ لیا ہے، ڈاکٹر محمد مؤید مال اللہ الحیالی نے ''بلقان میں سلطنت عثمانیہ کے دور کے آثار اسلامی''، ڈاکٹر عدنان عبدالرحمان الدوری نے ''علما و محققین کے نزدیک ضبط نص کے اصول و ضوابط'' اور ڈاکٹر مصطفیٰ طوبی نے ''جدید علم مخطوطہ شناسی کے اصول و ضوابط'' کے موضوع پر نہایت گراں قدر تحقیقات بہم پہنچائی ہیں، ڈاکٹر محماد رفیع نے ابن البناء مراکشی (م ۷۲۱ھ) کے مخطوطہ ''رسالہ فی الجدل بمقتضی قواعد الاصول'' کا تعارف کرایا ہے۔

''عالمی مقابلہ قرآن'' مکہ، جس میں متعدد ملکوں کے ۱۶۴ ر مسلم نوجوانوں نے حصہ لیا تھا، اپنے اختتام کو پہنچا، سعودی شہزادہ کے ہاتھوں سے کامیاب ہونے والوں کو انعامات اور سندوں کی تقسیم عمل میں آئی، اس پروقار اختتامی تقریب کو خطاب کرتے ہوئے مکہ کے گورنر نے زور دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ ان اصولوں اور نظریات کو فروغ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں جو اعتدال و صداقت پر مبنی اور رواداری انہ اہمیت کے حامل ہیں۔

ک، ص اصلاحی

دارالمصنّفین کا ایک پروقار سمینار
بعنوان
”اردو ادب کی امتزاجی روایات“

محمد عمیر الصدیق ندوی

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم زندہ تھے اسی وقت دارالمصنّفین کے بعض مخلصین کی خواہش تھی کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون و اشتراک سے دارالمصنّفین میں ایک شان دار اور پروقار سمینار ہو جس میں علم و ادب کی نمایاں شخصیتوں کے ساتھ سیاست و قیادت کی ممتاز ہستیاں بھی شامل ہوں، بالخصوص جناب حامد انصاری، نائب صدر جمہوریہ ہند اس میں شرکت فرمائیں، ان کا وطنی تعلق بھی اسی دیار شرق سے ہے، وہ شریک ہوں گے تو قریب چالیس سال پہلے کی اس روایت کی تجدید بھی ہو جائے گی جب ۱۹۶۵ء کے جشن طلائی میں اس وقت کے نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین دارالمصنّفین تشریف لائے تھے اور ان کے جلو میں ملک کے بعض کئی ممتاز و اہم عمائد جلوہ فگن تھے۔

یہ تجویز دارالمصنّفین کے لیے خوش آئند تھی، مولانا اصلاحی مرحوم کے اچانک سانحۂ وفات سے اس پر فوری عمل نہیں ہوا مگر بنگلور کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسٹروفزکس کے مشہور سائنس داں اور اعظم گڈھ کے قابل فخر فرزند پروفیسر ونود کمار گوڑ خاص طور سے اس سمینار کے انعقاد کے لیے فکر مند اور کوشاں رہے، وہ اس وقت کے قومی کونسل کے وائس چیرمین جناب شمس الرحمان فاروقی اور دہلی میں دوسرے احباب کو برابر اس انعقاد کی ترغیب و تحریک دیتے رہے، سمینار کا عنوان بھی اسی باہمی مشاورت سے تجویز کیا گیا (URDU LITERARY CULTURE, THE SYNCRETIC TRADITION) یعنی اردو ادب کی امتزاجی روایات، بالآخر ۱۷-۱۸ر دسمبر کی تاریخیں اس سمینار کے لیے طے کر دی گئیں اور خدا کا شکر ہے کہ وقت مقررہ پر یہ منعقد بھی ہوا۔

موضوع دلچسپ تھا، اردو کی انجذابی وامتزاجی صلاحیت وروایت کا ذکر ہمیشہ پرلطف رہا ہے لیکن ملک کے موجودہ حالات جس میں شک، بدگمانی، بے اعتمادی، نفرت اور دوری جیسے مہلک امراض قومی روز افزوں ہیں اور اس میں محبت، یگانگت، رواداری اور باہمی اخذ وقبول اور افادہ واستفادہ کی وہ خوبیاں عنقا ہوتی جاتی ہیں، جن کا سرچشمہ صدیوں کے عمل اور تسلسل سے اردو کی شکل میں جاری ہے، اس کے پیش نظر ملک کی اس سب سے پیاری لیکن سب سے مظلوم زبان کے احسان کو یاد کرنا واقعی ایک قومی ضرورت ہے، اسی مقصد نے دارالمصنفین کو اس سمینار کے انعقاد اور میزبانی کے لیے اور بھی آمادہ کیا کہ اردو ادب کی خدمت بطور فن اور قدر، علامہ شبلی اور دارالمصنفین کے سرمایہ علمی کی سب سے قیمتی متاع ہے، اردو ادب کو علم کی گہرائی اور علم کو ادب کی تازگی اور شگفتگی جس طرح علامہ شبلی اور دارالمصنفین نے بخشی، اس کے رسمی اظہار کی ضرورت نہیں، دارالمصنفین نے ہمیشہ قصہ دارا و سکندر سنانے پر حکایت مہر ووفا بیان کرنے کو ترجیح دی اور اس کے لیے اسی اردو زبان کو اولیت دی جس کا ضمیر اور خمیر، کثرت میں وحدت کے اصول پر تیار ہوا، اردو کا اصل جوہر یہی انجذاب وامتزاج کا مزاج ہے، عرب وعجم، مشرق ومغرب، ملک کی ہر بولی اور بولی ہی کیا ہر رنگ کی تہذیب کا امتزاج ہی اردو کی سرشت اور اس کی سرگزشت ہے۔

۱۷-۱۸/دسمبر کے اس دوروزہ سمینار میں اسی سرگزشت کی بازگشت سنی اور سنائی جاتی رہی، ۱۷/دسمبر گیارہ بجے افتتاحی اجلاس کا آغاز ہوا تو دارالمصنفین کے نوتعمیر شدہ کانفرنس ہال کے باذوق حاضرین وسامعین کو یہی توقع تھی کہ خسرو، میر، غالب، نظیر، سرسید، حالی، شبلی وسید سلیمان اور نسیم، چکبست، دیانرائن، نوبت رائے اور پریم چند، کرشن چندر اور فراقی وفراق کی اس زبان کا پیغام محبت ہی نہیں سنا جائے گا، اس کے انجذابی وامتزاجی رنگوں کی نمائش اور مرقعوں کی تصویرکشی بھی ہوگی اور ہوا بھی یہی، بنارس یونی ورسٹی کے پروفیسر راجندر کمار نے جس طرح اردو کے مزاج اور اس کی برتری کی داستان چھیڑی، اس نے سمینار کا مقصد خود ہی متعین کردیا، اردو کو مذہب اور فرقوں میں بانٹنے والوں کے لیے ان کا یہ سوالیہ جملہ بہت اہم اور قابل غور ہے کہ اگر ہندوستان میں صرف مسلمان ہی رہتے تو کیا یہاں کی زبان اردو ہی ہوتی؟ پروفیسر ونود کمار گوڑ تو میزبان ہی تھے، انہوں نے اردو اور دارالمصنفین کے تعلق سے اپنے درد کا اظہار کیا، اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونی ورسٹی کے

پروفیسر سلیل مشرا کی زبان کی سلاست سے زیادہ ان کے بیان کی صداقت حیرت کا باعث بنی، امریکا کے پروفیسر ڈیوڈ ڈلیلیو یلڈ نے اردو ادب کے امتیازات کا جس خوبی سے اظہار کیا، وہ اردو ادب سے ان کی دل چسپی اور غائر مطالعہ کے علاوہ اردو کی جہاں گیری کا بھی شاہد تھا، ڈاکٹر مظفر احسن اصلاحی کہنہ مشق خطیب و عالم ہیں، انہوں نے اختصار میں جامعیت کی آمیزش سے اردو زبان کے مسائل اور اس سے ملک و قوم کے ناروا سلوک کا ذکر کیا۔

جناب شمس الرحمان فاروقی کا کلیدی اور صدارتی خطبہ اصلاً انگریزی زبان میں تھا لیکن انہوں نے اس کا خلاصہ اردو میں پیش کیا، خطبہ اس حقیقت سے شروع ہوا کہ تمام جدید ہندوستانی زبانوں میں اردو ہی امتزاجی کیفیات کو سب سے مکمل طور پر پیش کرتی ہے، یہ سچائی قریب قریب مسلم ہے اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے لیکن علمی سیاق وسباق میں اس پر شاذ و نادر ہی تبادلہ خیال کی نوبت آتی ہے، انہوں نے تحقیقی پیرایہ میں دلائل و امثلہ سے یہ نتیجہ پیش کیا کہ مختلف تہذیبی و ثقافتی، فلسفیانہ اور ادبی جہتوں اور روایتوں میں امتزاج کی جیسی مثالیں اردو نے پیش کی ہیں، دوسری کسی ہندوستانی زبان میں اس کے نقوش کی یافت پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، جب کہ اردو میں کسی طرح بھی ان مثالوں کی کمی نہیں، یہ پورا خطبہ فاروقی صاحب کی محققانہ اور نقادانہ شہرت کے شایان شان تھا، دارالمصنفین کے ناظم پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اردو زبان کے خمیر و ضمیر سے روشناس کراتے ہوئے موجودہ حالات میں اردو کے ساتھ جانب دارانہ اور غیر منصفانہ رویوں کا شکوہ کیا، ساتھ ہی دارالمصنفین کی ان کوششوں کا بھی جامع تعارف کرایا جو اس نے باہمی یگانگت اور محبت اور دل گیری کے لیے کی ہیں، اس نے فصل کے پہلو پر ہمیشہ وصل کو ترجیح دی، اس افتتاحی اجلاس کی نظامت و نقابت راقم الحروف کے سپرد کی گئی تھی۔

افتتاحی اجلاس کے بعد شام ۶ بجے سیمناری جلسوں کا باقاعدہ آغاز ہوا، پہلے جلسے میں پروفیسر نعیم الرحمان فاروقی، پروفیسر ظفر احمد صدیقی، پروفیسر سلیل مشرا، ڈاکٹر فخر الاسلام اور ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے مقالے پیش کیے، اردو کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ یہ لشکری زبان ہے، شمس الرحمان فاروقی اس نظریے کے سخت مخالف ہیں، ان کی ایک کتاب اسی موضوع پر ہے، پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے اسی کتاب کے مشمولات پر بحث کی، ڈاکٹر فخر الاسلام نے اردو شاعری

میں یک جہتی کی روایات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا، ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے اردو زبان و ادب میں ہر طبقے کے افراد کی کاوشوں کا جامع موازنہ کیا، پروفیسر سلیل مشرا نے نظیرا کبرآبادی اور اکبرالہ آبادی کی شاعری میں ہندوستانیت کے عناصر کا تجزیہ بڑے خوب صورت اور دل چسپ انداز میں پیش کیا، چند مسائل پر بحث بھی بڑی دل چسپ رہی، اس جلسے کی مجلس صدارت میں پروفیسر قاضی افضال حسین اور پروفیسر انیس اشفاق شامل تھے، نظامت شبلی ڈگری کالج کے صدر شعبہ اردو ڈاکٹر شباب الدین نے کی، دوسرے دن کی پہلی نشست پروفیسر ڈیوڈ لیلیو یلڈ، پروفیسر نعیم الرحمان فاروقی اور پروفیسر ظفر احمد صدیقی کی صدارت میں منعقد ہوئی، نظامت کے فرائض ڈاکٹر فخر الاسلام نے انجام دیے، ایک گھنٹے کی اس نشست میں پروفیسر اقبال حسین، پروفیسر انیس اشفاق اور ڈاکٹر شباب الدین نے مقالے پیش کیے، جن میں تاریخ کے علاوہ دیسی اردو اور آرزو لکھنوی اور سرسید کی انقلاب آفریں کاوشوں کا بیان تھا، اس نشست کے معاً بعد ایک اور اجلاس پروفیسر اقبال حسین اور پروفیسر سلیل مشرا کی صدارت میں شروع ہوا، نظامت کی ذمہ داری ڈاکٹر محمد طاہر استاد شعبہ اردو شبلی کالج کے سپرد تھی، اس میں بھی تین مقالے پیش کیے گئے، پروفیسر عبدالستار دلوی اور پروفیسر قاضی افضال حسین کے علاوہ تیسرا مقالہ نگار یہ راقم الحروف تھا، جس نے اردو ادب کی امتزاجی روایات کے فروغ و ارتقا میں دارالمصنفین کی خدمات کا ذکر کیا، اس میں علامہ شبلی کی بعض تحریروں جیسے اردو ہندی، بھاشا اور مسلمان اور تحفۃ الہند میں امتزاجی اوصاف کی تلاش کے بعد کہا گیا کہ " یہ محض شبلی کی داستان گوئی نہیں اس میں کچھ رنگ اردو کے مزاج کا بھی ہے، امتزاج اسی کا نام ہے، حرف ولفظ اور قواعد و نحو کے علاوہ بھی امتزاجی رویوں کی وسعت کیوں نہ تلاش کی جائے، مولانا سید سلیمان ندوی کی نقوش سلیمانی اور مقالات سلیمان میں تو اس موضوع کے لیے مکمل مواد موجود ہے، سید صاحب نے ہمیشہ فرمایا کہ " ایک ایسا ملک جو مختلف نسلوں، مختلف قوموں، مختلف زبانوں کا مجموعہ ہو، ناگزیر ہے کہ وہاں باہمی میل جول کے بعد ایک زبان پیدا ہو، وہ پیدا ہوئی اور اسی کا نام اردو ہے"، پروفیسر عبدالستار دلوی اور پروفیسر قاضی افضال حسین اردو ادب لسانیات اور تحقیق میں سربرآوردہ نام ہیں، ان کے مقالات ان کے مقام بلند کے عین مطابق تھے۔

چوتھا اور افتتاحی اجلاس پروفیسر عبدالستار دلوی اور ڈاکٹر افتخار احمد پرنسل شبلی کالج اعظم گڈھ کی صدارت اور راقم الحروف کی نظامت میں شروع ہوا، ظاہر ہے یہ نشست سمینار کے تعلق سے یہ مندوبین کے تاثرات کے اظہار کے لیے خاص تھی، پروفیسر انیس اشفاق، پروفیسر سلیل مشرا، قاضی افضال حسین، پروفیسر ونود کمار گوڑ نے یہ فریضہ انجام دیا، سب کی زبان پر یہی تھا کہ موضوع کے تعلق سے مقالات اور بحثوں نے فکر ونظر کی دنیا میں وسعت پیدا کی ہے، شبلی اکیڈمی کے تعلق سے بھی عام تاثر یہی تھا کہ یہ اردو کی آبرو ہے، اس کو ترقی دینا اردو کے ہر شیدائی کا فرض ہے، پروفیسر گوڑ نے تو دارالمصنّفین کے لیے وژن اکیسویں صدی کا نعرہ بھی دے دیا، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے آخر میں تمام شرکا اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور جناب حامد انصاری نائب صدر جمہوریہ ہند اور حیدرآباد دکن کے جناب میر معظم حسین کے پیغامات بھی سنائے، حامد انصاری صاحب نے بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے اس سمینار میں افتتاحی خطبہ پیش نہ فرمانے پر افسوس ظاہر کیا لیکن یہ بھی لکھا کہ میں بہت جلد دارالمصنّفین کی زیارت کے لیے وقت نکالوں گا، میر معظم حسین یادگار عہد سلطنت آصفیہ ہیں، نوے سال کی عمر میں بھی انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کے ہم راہ اس سمینار میں تشریف لانے پر آمادگی ظاہر کی تھی لیکن حیدرآباد سے اعظم گڈھ کی دوری اور راہ کی دشواری ان کے اس سفر شوق میں حائل ہو کر مجبوری بن گئی، ان کے نامۂ شوق میں علامہ شبلی کا ذکر تھا، جنہوں نے میر صاحب کے جد امجد نواب فخر الملک بہادر کی فرمائش پر ان کے صاحب زادے اور برادر زادوں کو کچھ دنوں تعلیم دی تھی، یہ بھی لکھا کہ ان کے والد ماجد کو ہمیشہ اس تشنگی کا احساس رہا کہ وقت کی قلت کی وجہ سے وہ علامہ شبلی کے سرچشمہ علم وادب سے کما حقہ سیراب نہ ہو سکے لیکن علامہ شبلی سے یہ چندروزہ تعلق دارالمصنّفین سے محبت کی شکل میں برابر جاری وموجود ہے۔

موسم نہایت سرد رہا لیکن شرکائے اجلاس کی محبت اور اعظم گڈھ کے باشندوں کی قدردانی نے اس کو جس طرح گرم رکھا، اس کی یاد عرصے تک رہے گی، خصوصاً شبلی نیشنل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر افتخار احمد، شعبہ اردو کے ڈاکٹر شباب الدین اور ان کے رفقا وطلبہ نے اس سمینار کی کامیابی کے لیے اپنا سارا وقت وقف کر دیا، دارالمصنّفین کا ہر فرد جس طرح سرگرم عمل رہا وہ اس کا حق تھا، ان تمام مخلصین کے لیے اگر کوئی انعام تھا تو یہی کہ سمینار کے متعلق عام رائے رہی کہ یہ ہر طرح سے کامیاب تھا۔

ادبیات

غزل

جناب رئیس احمد نعمانی☆

افعیی روز گار می گزدم زندگی خود چو مار می گزدم
نہ ہمیں رنجہای جاں فرسا بل ، المہای پار می گزدم
آہ ، کیں خاطراتِ کژدم وار پی بہ پی ، بار بار می گزدم
کاش دانستمی کہ دانشِ من بہ کدا میں قرار می گزدم
نگزیدم لبانِ نوشِ کسی مژۂ نیش دار می گزدم
بو کہ یابم ز لعلِ او تریاق مار گیسوی یار می گزدم
از در و دامہا چہ می پرسی؟ مردمِ ایں دیار می گزدم!
گاہ استادہ رو بہ رو ، در راہ گہہ بہ حال فرار می گزدم

الحذر ، زیں دو پایدار رئیس
کہ چو سگہای ہار می گزدم

غزل

ڈاکٹر آفاق فاخری☆☆

جرم ہوتا رہے اور سزا ہی نہ ہو یا خدا ایسا دورِ تباہی نہ ہو
پھر وہی دشت ہے پھر وہی پیاس ہے کون جانے کوئی کربلا ہی نہ ہو
عیب اپنا اسے کیا نظر آئے گا جس کے کردار کا آئینہ ہی نہ ہو
یوں خدائی کے دعوے کا اظہار ہے جیسے دنیا کا کوئی خدا ہی نہ ہو
آئینہ ، پھول ، خوشبو ، شفق ، چاندنی صرف خوابوں کا یہ سلسلہ ہی نہ ہو
یہ ہماری سیاست کا معیار ہے شہر مقتل بنے اور گواہی نہ ہو
رُخ ہوا کا وہ پہچان پائیں گے کیا؟ جن کے ہاتھوں میں کوئی دِیا ہی نہ ہو

ایسے جینے سے آفاق کیا فائدہ
جس سے حق زندگی کا ادا ہی نہ ہو

☆ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲۔

☆☆ پوسٹ جلال پور، ضلع امبیڈکر نگر، یوپی، ۲۲۴۱۴۹۔

مطبوعات جدیدہ

محبت نامے (اول، دوم، سوم): مرتبہ جناب مولانا حبیب الرحمان، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت اعلا، مجلد، صفحات بالترتیب ۵۳۲، ۵۷۱، ۴۴۸، قیمت درج نہیں، پتہ: کتب خانہ یحیوی، سہارن پور، یوپی اوراز ہرا کیڈمی، لندن، یو، کے۔

حضرت شیخ الحدیث کی زندگی کا سب سے روشن اور نمایاں باب خدمت علم حدیث ہے لیکن اصلاح وتربیت اور ارشاد وتزکیہ کا باب بھی کچھ کم اہم نہیں اور تربیت وتزکیہ کی یہ صفت سب سے زیادہ ان کے خطوط میں ملتی ہے، حضرت شیخ کے مکاتیب کے کئی مجموعے ہندوپاک سے شائع ہوچکے ہیں، زیرنظر تینوں مجموعے ان کے ان خطوط پر مشتمل ہیں جوانہوں نے اپنے دومخلص ارادت وعقیدت مند حضرات یعنی مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولانا یوسف متالا صاحب کے نام لکھے، یہ دونوں شاگرد ومسترشد حضرت شیخ کے محبوب بلکہ ان ہی کی زبان میں ''لاڈلے'' تھے، حضرت شیخ کی محبت کی تصویر بھی واضح ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو فائدہ پہنچانے میں ہمیشہ فکرمند اور مضطرب رہتے تھے، حوصلہ افزائی، قدردانی، کامیابی پر مسرت، دعاؤں میں ان کی یاد اور غلطیوں پر رنج وقلق اور تکلیفوں پر بے قراری حضرت شیخ کی محبت کے عناصر تھے، زیرنظر مجموعہ ہائے مکاتیب دونوں مکتوب الیہما کے لیے ان ہی جذبات سے لبریز ہیں اور گویہ دومخصوص مریدوں کے نام ہیں لیکن درحقیقت ان کا فائدہ ہر قاری کے لیے ہے، عام باتوں کے ساتھ نسبت انعکاسی، نسبت القائی جیسے مسائل تصوف بھی ہیں اور نہایت آسان بیان میں، مرشدانہ نظر سب میں شامل ہے مثلاً باتوں باتوں میں یہ لکھنا کہ ''نسبت جوبھی حاصل ہوجاوے اس کا حصول تو بہت آسان ہے اور بہت جلد ہوجاتا ہے لیکن اس کا تحفظ اور بقا بہت مشکل ہے، شیطان عجب خودنمائی کرتا اور اپنی برتری کا ایسا وسواس پیدا کرتا ہے کہ ترقی سے روک دیتا ہے، اس لیے مشائخ کا دستور یہ ہے کہ حصول نسبت کے بعد جلد اجازت نہیں دیتے بلکہ پختگی کا انتظار کرتے رہتے ہیں، اسی خط میں آگے لکھا کہ ''سب سے بڑی بات اپنا غصہ اور بڑائی نکالنا ہے اور یہ دونوں چیزیں بہت ہی دیر میں نکلتی ہیں، سالک سے جو سب سے آخر میں عیب نکلتا ہے وہ حب جاہ ہے، ہم لوگ اپنے آپ کو ہر وقت حقیر فقیر نا کارہ

کہتے رہتے ہیں لیکن یہ چیزیں بجائے زبان کے اپنے دل میں ہوں تو زیادہ اچھا ہے'' ایک خط میں تبلیغی کام کے سلسلے میں لکھا کہ'' اس سے نہایت خائف رہنا چاہیے کہ اس سے کوئی شائبہ عجب کا پیدا نہ ہو کہ دینی کام بالخصوص تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے شیطان اس راستے سے بہت زور دکھاتا ہے'' اس قسم کے خدا جانے کتنے بیش قیمت موتی ہیں جو حضرت شیخ کی زبان سے نکل کر اس مجموعہ کو اور بیش بہا بنادیتے ہیں، حضرت شیخ کے مکاتیب کی ایک نمایاں خوبی ان کی ادبیت ہے، جابجا اور بامحل اشعار سے مکاتیب کی لذت دوبالا تو ہوتی ہی ہے خود حضرت شیخ کے انتخاب کے حسن اور ذوق کی بلندی و پاکیزگی بھی ظاہر ہو کر رہتی ہے، خطوط کا یہ مجموعہ عام طالبین و سالکین کے لیے بھی اہمیت و افادیت کا خزینہ ہے، البتہ مکتوب الیہما کا تعارف مختصر ہی سہی مناسب ہوتا۔

حضرت صدیق کی کہانی ان کے صَدیق کی زبانی: از جناب مفتی عبدالقدوس رومی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۳۲، قیمت درج نہیں،

پتہ: مدرسہ تعلیم القرآن، وزیر پورہ، آگرہ اور الہ آباد، لکھنؤ، سہارن پور اور دیو بند کے مکتبے۔

مولانا قاری صدیق احمد باندوی کی شخصیت ابھی چند برسوں پہلے تک مرجع خلائق تھی، وہ نامور بزرگوں کی نظر میں عارف باللہ اور نمونہ سلف صالحین تھے، عام انسان کی نظر میں بھی وہ اپنی سادگی، فروتنی اور بے لوث اور بے نظیر جذبۂ خدمت کی وجہ سے ایک نہایت محترم، مقبول اور محبوب بزرگ تھے، ان کے اخلاقی و دینی کمالات لوگوں کی زبان میں کرامات کا درجہ رکھتے تھے، جس نے بھی ان کو دیکھا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، متاثر ضرور ہوا، ان کی وفات کے بعد ان کے کئی عقیدت مندوں نے ان کے احوال سپرد قلم کیے اور یہ سب دل چسپی سے پڑھے گئے، زیر نظر کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قاری صاحب مرحوم کے ہم عمر، ہم سبق اور دیرینہ رفیق کے قلم سے ہے، محترم مصنف اپنے پاکیزہ اور بلند پایہ ادبی ذوق اور دل کش اسلوب کے لیے معروف ہیں، ایک دیرینہ ہمدم و رفیق کی یاد خصوصاً نوعمری کی داستان، طرز تحریر کی وجہ سے اور پر کشش ہوگئی ہے، ''سواگت'' سے ''گت سوا'' ہونے کی صحیح داد مولانا دریابادی ہی دے سکتے تھے، یہ مختصر تذکرہ، صاحب تذکرہ اور تذکرہ نگار دونوں بزرگوں کی کرامت سے کم نہیں، خیر، لطف اور خوبی تینوں کا عطر مجموعہ۔

ع-ص